جامعہ مدنیہ لاہور کا علمی، ادبی اور اصلاحی مجلہ

انوارِ مدینہ

نگرانِ اعلیٰ:

حضرت مولانا سید حامد میاں مدظلہٗ مہتمم و شیخ الحدیث جامعہ مدنیہ، لاہور

جلد — ۳
شوال ۱۳۹۲ھ

ماہنامہ

انوارِ مدینہ

لاہور

شمارہ — ۵
نومبر ۱۹۷۲ء

مدیر اعزازی: پروفیسر یوسف سلیم چشتی ○ مدیر معاون: حبیب الرحمٰن اشرف

اِس شمارے میں

اداریہ		۲
گلستانِ حبیبتان	حضرت علامہ مولانا شمس الحق افغانی	۴
الشفاء	محترم نور محمد غفاری	۱۰
اعلیٰ اخلاق کا معلّم	حضرت علامہ مولانا سید محمد میاں	۱۴
ذکر اور شکر	حضرت شیخ الاسلام مولانا سید حسین احمد مدنیؒ	۲۱
صحابۂ کرام	مولوی حافظ عطاء الرحمٰن رحمانی	۲۸
اسلامی نظامِ عدالت	حضرت مولانا محمد مرزا گل	۳۲
حفّاظ و محافظینِ قرآن	حضرت مولانا قاری رحیم بخش	۳۶
شیخ المحدثین مولانا رسول خانؒ	مولانا قاری فیوض الرحمٰن	۴۴
ایک قرار داد	حضرت مولانا قاضی مظہر حسین	۵۲
غزل	جناب الحاج سید امین گیلانی	۵۴
تبصرہ		۵۵

بدل اشتراک: سالانہ سات روپے — طلبہ کیلئے پانچ روپے — فی پرچہ ۶۵ پیسے

جامعہ مدنیہ ○ کریم پارک ○ راوی روڈ ○ لاہور

فون: ۶۲۹۳۲

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

مقامِ شُکر

نحمدہ سبحانہ وتعالیٰ ونصلی علی رسولہ الکریم۔ اما بعد

مقامِ شکر ہے کہ ملک میں ایک بار پھر جمہوریت، بلکہ اسلامی جمہوریت کے اصول طے کر لئے گئے۔ اس سیاسی فکر و تدبّر کا سہرا جناب صدر مکرم ذوالفقار علی بھٹو کے سر ہے، کہ انہوں نے عوام کے جذبات ان کے دلوں کی گہرائی سے تاڑ لئے اور ایسا نظام طے کر دیا کہ جس پر جو بنیاد اٹھائی جائے گی وہ تا ثریّا سیدھی اور مضبوط رہے گی اور ہمیں امید ہے کہ اسطرح جو مقبولیت صدر محترم کو پہلے حاصل تھی وہ دوبالا ہوگی اور انہیں کے اقتدار کو مضبوطی حاصل ہوگی۔

خداوند کریم جلد وہ دن لائے کہ ہم اپنے وطن عزیز میں وہ نظام نافذ دیکھیں کہ جس سے رحمتِ پروردگار کا نزول ہوتا ہے اور ہر متنفس امن کے سایہ میں پلتا اور سانس لیتا ہے۔ وما ذالک علی اللہ بعزیز۔

★

خداوند کریم نے جو مسلم ممالک میں اتحاد کی ہوا چلائی ہے اس کے لئے ہماری دعا ہے (اور ہر مسلمان کو یہ دعا کرنی چاہیئے) کہ وہ روز افزوں ہو اور اس اتحاد کو استحکام و دوام حاصل ہو۔

لیبیا کے بے نفس و شیر دل صدر نے اتحاد کا بے مثال نمونہ پیش کیا۔ اس کے بعد جمہوریہ یمن کے دونوں حصّوں میں اتفاق و اتحاد طے ہو گیا۔ یہ ہر مسلمان کے لئے کتنی خوشی کا مقام ہے اور دیگر ممالکِ اسلامیہ کے لئے

کتنا اچھا سبق ہے۔

جس وقت اب سے سوا سو سال پہلے یہ انعام چھننا شروع ہوا تھا تو ہماری طاقت پارہ پارہ ہونی شروع ہو گئی تھی اور ہم چھوٹی چھوٹی مملکتوں میں آپس میں لڑنے اور اغیار کی چاپلوسی کرنے کے لئے بٹ گئے تھے۔ والعیاذ باللہ۔

لیکن اب معلوم ہوتا ہے کہ اس امت مرحومہ پر پھر سے رحمت کی ہوائیں چلنی شروع ہوئی ہیں۔ یہ اتفاق واتحاد خداوند کریم کے انعامات کی ابتداء معلوم ہوتی ہے۔ جیسا کہ فرمانِ خداوندی فَاَصْبَحْتُمْ بِنِعْمَتِہٖٓ اِخْوَانًا سے صاف ظاہر ہے۔

آخر وہ دَور بھی آنے ہی والا ہے کہ جس کی خبریں مخبر صادق حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے دی ہیں اور اسمیں پہلے مسلمانوں کی قوت کی مضبوطی ہونی مترشح ہوتی ہے۔

اگر وہ دور نزدیک ہے تو ہماری دعاء ہے کہ خداوند کریم ہم سے اپنے دینِ متین کی بیش از بیش خدمت لے اور اسی زمرہ میں محشور فرمائے کہ جس کے بارے میں بشارتیں وارد ہوتی ہیں۔ آمین

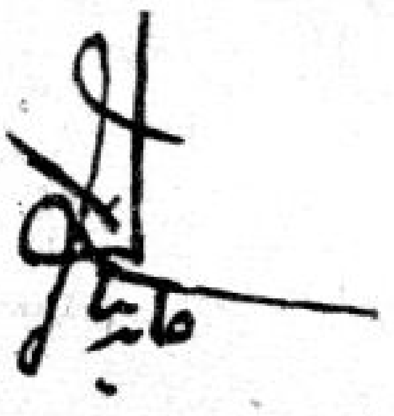

اُولٰٓئِکَ ھُمُ الرَّاشِدُوْنَ

"اُولٰئِکَ ھُمُ الرَّاشِدُوْنَ" کے زیرِ عنوان شیخ الحدیث حضرت علامہ مولانا سیّد محمّد میاں مدظلہم کے بصیرت افروز اور محققانہ مباحث کا آخری حصّہ جو ان تمام مباحث کا خلاصہ اور لب لباب ہے، آئندہ شمارے میں ملاحظہ فرمایا جائے ——

کلمٰتِ حبیبٰت

اس بار جامعہ مدنیہ لاہور میں بخاری شریف کا ختم شیخ التفسیر حضرت علامہ مولانا شمس الحق صاحب افغانی مدظلہم نے کرایا۔ اس موقع پر آپ نے جو تقریر فرمائی، اس کی پہلی قسط اس شمارہ میں پیش کی جا رہی ہے۔ باقی آئندہ — انشاء اللہ تعالیٰ۔ ——— ادارہ

آج صحیح بخاری شریف کا ختم ہو رہا ہے۔ چاہیئے تو یہ تھا کہ آپکے شیخ الحدیث حضرت مولانا سید حامد میاں صاحب جو بلند پایہ محدثین سے ان کتابوں کو پڑھ چکے ہیں اور طویل زمانے تک درس بھی دے چکے ہیں، یہ حدیث بھی وہی پڑھاتے، لیکن انہوں نے شاید عمر کا لحاظ کیا۔ اور طبقاتی تفوق کا تصور بھی ایک معمول رہا ہے کہ جس کی عمر زیادہ ہو، وہ بڑا سمجھا جاتا ہے۔ عمر کے لحاظ سے صرف بڑائی ہے (اور جتنے بوڑھے باقی رہ گئے ہیں، لب گور ہیں، آج ہیں تو کل نہیں ہیں) تو باوجود ضعف اور بیماری کے مولانا کے اخلاص کے پیشِ نظر اور حسنِ ظن کے پیشِ نظر میں یہاں آیا اور بخاری کا یہ آخری باب مختصر تشریح کے ساتھ آپ کے سامنے پیش کرونگا۔

بخاری شریف کا یہ آخری باب ہے جو بلفظ "باب" انہوں نے بیان فرمایا ہے۔ بخاری میں بعض مضامین کے متعلق اگر وہ مختلف الاقسام اور مختلف الانواع ہوں تو "کتاب" کا لفظ آتا ہے اور اگر ایک نوع کی حدیثیں ہوں تو "باب"۔ کتب کی تعداد سو ہے۔

اور بخاری شریف کی دونوں جلدوں میں جتنے ابواب ہیں یعنی جو مضامین پر عنوانات باندھے گئے ہیں وہ تین ہزار چار سو پچاس ہیں تو آج آپ تین ہزار چار سو پچاسواں باب جو ہے جو کتاب کا آخری باب ہے، اس کی تشریح سُن رہے ہیں۔ باب کے بعد جو لفظ آتا ہے اس کو ترجمۃ الباب کہتے ہیں۔ یعنی وہ مضمون جو باب کے مقصد کو ظاہر کرنے والا ہوتا ہے۔

اس سلسلہ میں محدثین کے نزدیک ایک مقولہ مشہور ہے فقہ البخاری فی تراجمہ ۔ فقہ البخاری فی تراجمہ کے دو معنیٰ ہیں ۔ یا تو فقہ بالمعنی الاصطلاحی ہے ۔ جس کا معنیٰ یہ ہے کہ امام بخاریؒ کے فقہی مسئلوں کا اندازہ ترجمۃ الباب سے ہوتا ہے ۔ مثلاً باب کو جس مسئلہ میں باندھا سمجھ لو کہ بخاریؒ کے نزدیک فقہی مسئلہ وہی ہے جو باب کے نیچے لایا گیا ہے۔ اور یا فقہ سے مراد لغوی معنیٰ ہے ۔ لغوی معنیٰ کے لحاظ سے فقہ کے معنی ذکاوت، ہوشیاری دانائی کے ہیں، تو امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ کی ذہنی بلندی اور پرواز اور ذکاوت کا اندازہ بھی باب سے ہوتا ہے، ان میں ایک چیز تو عام شارحینِ بخاری نے بیان کی ہے کہ تراجم کی مناسبت ابواب کے ساتھ کیا ہے، لیکن بعض حضرات نے بابِ سابق اور لاحق کا ارتباط بھی بیان کیا ہے ۔ اور ہمارے نزدیک اس وقت جو زیادہ ضروری ہے وہ باب اول اور بابِ آخر کے درمیان ارتباط بیان کرنا ہے، جس کے درمیان ایک ہزار سے زیادہ صفحات حائل ہیں ۔ امام بخاریؒ نے دو جلدوں میں پہلی جلد کے اول میں جو باب باندھا ہے اور اخیر میں جو باب باندھا ہے وہ بھی بے جوڑ نہیں، بے ربط نہیں ۔ نظر اس قدر وسیع ہے کہ اس سے غافل نہیں ۔ اس کا نام میں نے رکھا ہے ۔ "ارتباط الفاتحہ بالخاتمہ" ۔

ارتباط الفاتحہ بالخاتمہ یعنی بخاری کے ابتدائی باب کا ربط اور جوڑ اخیر باب اور خاتمے کے ساتھ تاکہ فاتحہ اور خاتمہ مرتبط اور مربوط رہے ۔ ایک بات سمجھ میں آئی ہے جو عرض کرونگا وہ ہی اس باب کے درس میں سب سے پہلی چیز ہے کہ بخاری کے بابِ اول الکل اور آخر الکل یا فاتحہ اور خاتمہ میں کیا مناسبت ہے ؟ بابِ اوّل کا مضمون تو آپ پڑھ چکے ہیں اور بابِ آخر کا ہمارے سامنے ہے ۔ سمجھانے کے لئے میں ترجمہ بھی کر دوں تاکہ آگے جو تقریر جاری ہے وہ بسہولت سمجھ میں آسکے ۔

امام بخاریؒ فرماتے ہیں ۔ "باب ہے اللہ کے اس فرمان میں کہ اللہ کا ارشاد ہے کہ ہم ترازو رکھیں گے انصاف کی اور باب ہے اس میں کہ آدم علیہ السلام کی اولاد کے اعمال اور ان کا قول و گفتار تولا جائے گا" ۔ مجاہد فرماتے ہیں کہ "قسطاس" انصاف کا نام ہے رومی زبان میں، اور بعض کہتے ہیں کہ "قسط" مقسط کا مصدر ہے اور "مقسط" عادل کو کہتے ہیں اور قاسط ظالم، جائر کو کہتے ہیں ۔ آگے پھر سند کے ساتھ جو حدیث لائے اس کے الفاظ یہ ہیں ۔ کلمتانِ الخ ۔

ائمۂ حدیث متفق ہیں کہ اس حدیث میں "مبتدا" پیچھے لایا گیا اور "خبر" پہلے، یعنی اصل الفاظ یوں ہیں کہ سبحان اللہ و بحمدہٖ ۔ ہر نقص سے پاک ہے اللہ اور ہر کمال سے موصوف ہے خدا، سبحان اللہ العظیم

اللہ نقص سے پاک ہے اور بڑے افعال والا ہے۔ تشریح آئیگی سبحان اللہ و بحمدہٖ سبحان اللہ العظیم۔ یہ کیا ہے؟ سبحان اللہ و بحمدہ یہ ایک کلمہ ہوا، کیونکہ کلمہ نحوی معنی میں مستعمل نہیں، لغوی معنیٰ میں مستعمل ہے۔ کلمہ کا معنی ہے "بات" تو سبحان اللہ و بحمدہ، ایک بات ہے اور سبحان اللہ العظیم دوسری بات ہے یہ دو چیزیں کیا ہیں؟ کلمتانِ یہ دو کلمے ہیں۔ یہ خبر اوّل حبیبتان الی الرحمٰن، پیارے ہیں خدا کو۔ خبر دوم۔ خفیفتانِ علی اللسان ہلکے ہیں ادائیگی میں زبان پر۔ تیسری خبر۔ ثقیلتانِ فی المیزان۔ بوجھل اور بھاری ہیں قیامت کی ترازو میں۔ یہ چوتھی خبر ہے۔ تو معلوم ہوا کہ مبتداء پیچھے لایا گیا ہے اور چار خبریں اس سے پہلے لائی گئی ہیں۔ اور اصل مقام مبتدأ کا پہلے لانا ہے اور خبروں کا پیچھے لانا ہے، لیکن اس کے خلاف جہاں ہوا ہو اس کے لئے نکتۂ بلاغیہ ضروری ہوتا ہے اور وہ نکتہ یہاں یہ ہے کہ ان کلمات کی طرف پیغمبرِ اسلام صلی اللہ علیہ وسلم سامعین کو شوق دلاتے ہیں اور تشویق کے بعد جو بات کہی جائے وہ راسخ اور مضبوط ہو جاتی ہے ذہن میں۔ تو پہلے حضرتؐ نے فرمایا دو باتیں ہیں جو اللہ کو پیاری ہیں، زبان پر ہلکی ہیں، میزان میں ثقیل ہیں وغیرہ وغیرہ۔ تو شوق ہوا کہ وہ کیا باتیں ہونگی؟ پھر مبتداء کے طور پر بیان کیا کہ سبحان اللہ و بحمدہٖ سبحان اللہ العظیم۔ تو تقدیم و تاخیر کا نکتہ یہی ہے۔ ورنہ اصل مبتداء میں یہ ہے کہ اسے پہلے لانا چاہیئے تھا اور خبر کو بعد میں۔

اس میں ارتباط الفاتحہ والخاتمہ یہ ہے کہ پہلے باب میں یہ ہے۔ باب کیف کان بدءُ الوحی الی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم وقول اللہ عزوجل الخ "قول" ضمہ کے ساتھ ہے۔ وہ کیف کے اوپر عطف ہے "کیف" کے نیچے نہیں ہے۔ لان کلام اللہ و قولہ لا یکیف۔ وہ مکیف نہیں ہوتا۔ باب ہے کہ آغازِ وحی کیسے ہوا؟ اور اللہ کے اس قول کے بارے میں جس میں وحی کا بیان ہے۔

اِنَّا اَوْحَیْنَا اِلَیْکَ کَمَا اَوْحَیْنَا اِلٰی نُوْحٍ وَّالنَّبِیّٖنَ مِنْۢ بَعْدِہٖ اس کے بعد جو حدیث لائے ہیں بروایت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ، حدثنا الحمیدی قال حدثنا سفیٰن قال حدثنا یحیی بن سعید الانصاری قال اخبرنی محمد بن ابراھیم التیمی انہ سمع علقمۃ بن وقاص اللیثی یقول سمعت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ علی المنبر یقول سمعت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یقول انما الاعمال بالنیات وانما لامرئ ما نوی فمن کانت ھجرتہ الی دنیا یصیبھا اوالی امرأۃ ینکحھا فھجرتہ الی ما ھاجر الیہ۔

یہ مخزوم حدیث ہے۔ کٹی ہوئی حدیث۔ یعنی ایک شق لائی گئی ہے، جو مذموم چیز کی نیت کی ہے اور

جو محمود کی ہے وہ چھوڑی گئی ہے۔ دوسری جگہ میں مکمل آئی ہے۔ خاص نکتہ کی وجہ سے ـــ معلوم ہوا کہ باب اول میں بیان ہے، وحی اور نیت کا ـــــــــ اور اس باب میں مسئلہ بیان ہے وزنِ اعمال کا (اعمال کے تولنے کا) بخاری کے پہلے باب میں کیا بیان ہے؟ نمبر ا وحی الٰہی کا بیان۔ نمبر ۲ نیت کا بیان ـــ اور اس باب میں کیا بیان ہے۔ وزنِ اعمال کا۔ پہلا باب مشتمل ہے، "الوحی والنیۃ" پر اور باب دوم مشتمل ہے وزنِ اعمال پر۔ اسکو اول درجے میں لائے اور اسکو مؤخر کیا۔ یہ بالکل معقول ترتیب ہے۔ کیوں؟ اس لئے کہ دراصل انسان اپنے اختیار سے نہ دنیا میں آیا ہے۔ نہ اپنے اختیار سے دُنیا سے جائیگا۔ آنا بھی دوسرے کے ارادے سے ہوا، جانا بھی دوسرے کے ارادے سے ہوگا۔ اور وہ دوسرا کون ہے؟ اللہ رب العلمین! وہ لایا تو یہ آگیا۔ وہ لے جائیگا تو مر کر چلا جائے گا۔ اور یہ آمد و رفت ایک مقصد کے لئے ہے، اور وہ مقصد قرآن نے واضح کیا ہے۔ وَمَا خَلَقْتُ الْجِنَّ وَالْاِنْسَ اِلَّا لِیَعْبُدُوْنَ یعنی "عبادت" ہے۔ عبادت کو آپ ایک ایسی چیز سمجھئے کہ وہ زندگی کی روح الارواح، حقیقۃ الحقائق، مقصد المقاصد ہے۔ اس کے لئے ایک تو صورت ہے۔ ایک روح ہے۔ صورت سے اسکا اصلی نقشہ اور ڈھانچہ بنتا ہے اور روح سے اس کی حقیقت بنتی ہے۔ روح صورت کے بغیر موجود نہیں ہوسکتی۔ انسانی روح جب آئے گی، انسان کی شکل میں آئے گی۔ گائے، بیل، بھینس کی شکل میں نہیں آئے گی۔ لیکن انسانی صورت بیکار ہے، نہ نماز پڑھ سکتی ہے، نہ روزہ رکھ سکتی ہے، نہ تلاوتِ قرآن کرسکتی ہے، نہ بخاری کی عالم بن سکتی ہے، جب تک روح انسانی اس میں نہ ہو۔ یہ دو چیزیں ضروری ہیں۔ روح اور صورت۔ تو عبادات کے لئے بھی ایک صورت چاہیئے اور ایک روح۔ اور عبادات کی صورتوں کی تشکیل "وحی" سے ہوگی۔ مثلاً عبادتوں میں ایک بڑی عبادت "نماز" ہے۔ نماز کی شکل کیا ہوگی۔ عبادات میں سے صرف ایک نماز مثال کے لئے پیش کرتا ہوں کیونکہ وقت بہت کم ہے۔ بالکل مختصر بیان ہوسکتا ہے اور اس کے لئے تو بہت وقت درکار ہے۔ تو نماز کی شکل کیا ہوگی؟ اس کی تعداد کتنی ہے۔ پھر تعدادِ رکعات کیا ہے؟ نماز کی شروط کیا ہیں، ارکان کیا ہیں؟ واجبات و مستحبات کیا ہیں، کیفیتِ نماز کیا ہے؟ اس کے اجزاء ترکیبی کیا ہیں؟ قیام ہے، رکوع ہے، سجدہ ہے، قعدہ ہے، پھر ترکیب کیسی ہے۔ کونسا جزء مقدم ہے کونسا مؤخر ہے؟ یہ سارا نقشہ اگر تمام عُقلاء لاکھوں سال جمع ہوکر زور لگائیں تو نماز کا پسندیدہ نقشہ جو اللہ رب العالمین کے نزدیک پسند ہے نہ قائم کرسکیں گے۔ صرف نبی امی کے ذریعہ سے یعنی محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر وحی متلو یا غیر متلو نازل فرما کر یہ نقشہ تیار کیا گیا ہے تو نقشہ

وحی نے تیار کیا۔ اور نیت کے ذریعہ اس میں جان پڑی۔ کیونکہ یہی نماز ہے، اگر اللہ کی رضا کے لئے نہ ہو اس غرض کے لئے ہو کہ لوگ بزرگ سمجھیں اور نذرانے دیں۔ تو یہ طاعت کے بجائے معصیت بن گئی، حالانکہ صورت ایک ہے، مگر روح بدل گئی۔ روح یہ ہے کہ نماز میں نمازی کا مقصد رضائے الٰہی کے سوا کوئی چیز نہ ہو۔ اسلئے اللہ کا ارشاد ہے۔ وَرِضْوَانٌ مِّنَ اللہِ اَکْبَرُ۔ اللہ کی رضامندی سب سے بڑی چیز ہے۔

اگر آدمی مطالعہ کرے تو خدا کسی چیز کو "اکبر" نہیں کہتا۔ سوائے تین چیزوں کے۔ ایک تو "اللہ اکبر" (خدا بڑا ہے)۔ ایک "ولذکر اللہ اکبر" (اس خدا کی یاد بڑی چیز ہے) اور ایک ورضوان من اللہ اکبر۔ (اللہ کی رضامندی بڑی چیز ہے) تو عبادت اللہ کی رضامندی کے لئے ہے اور اللہ کی رضامندی کا نام ہے اصلاحِ نیت، انما الاعمال بالنیات۔

تو سب سے پہلے باب میں بتلایا گیا کہ وحی تمام عباداتِ اسلامیہ کے نقشے اور صورت اور شکل کو تیار کرنے والی چیز ہے۔ اس کے بعد اس میں جان ڈالنے کے لئے نیت کا بیان کیا۔ گویا عبادت کا ایک درخت پیدا ہو گیا۔ یا ایک کھیتی تیار ہو گئی۔ ضَرَبَ اللہُ مَثَلًا کَلِمَۃً طَیِّبَۃً کَشَجَرَۃٍ طَیِّبَۃٍ اَصْلُھَا ثَابِتٌ وَّفَرْعُھَا فِی السَّمَاءِ۔ الخ

دنیا میں دو زراعتیں ہیں، ایک زراعتِ ظاہری کہ تخم زمین میں ڈالو، پھر نشو نما کے موانع اور رکاوٹوں کو دُور کرو اور مویدات بہم پہنچاؤ۔ اس پر کھانے پینے اور معیشت کا مدار ہے۔ یہ ہے زراعت ظاہری۔ اور ایک زراعتِ باطنی ہے، اس کے لئے بھی ایک زمین ہے وہ دل اور دماغ ہے اور ایک بیج اور تخم کی ضرورت ہے تخم گویا ایمان ہے۔ کہ اس کو کاشت کرو۔ اس کی محافظت اللہ کا خوف ہے اور بُرے اعمال اور بُرے افکار اس کے مخرب ہیں۔ اس کے بعد نتائج دیکھنے کا موقع آئے گا۔ اگر گندم ہے تو آٹھ مہینے کے بعد موقع آجائے گا کہ کاٹو اور اس کے بعد صاف کر دو تو ثمرہ یعنی غلہ حاصل ہوگا۔ تو زراعتِ ظاہری میں ہر مزارع جو گندم کاشت کرتا ہے، پیداوار نکالتا ہے۔ تو محنت کا پھل اور آخری نتیجہ اسکو کب ملتا ہے؟ جب گندم کا خرمن تیار ہو جاتا ہے اور صرف تیار ہونے پر نہیں۔ تو لنے پر، کہ تُل جائے کہ میاں تم نے جو اس قدر گندم کاشت کیا تھا۔ تولا گیا تو کتنا نکلا؟ کہتے ہیں پانچ سو من گندم آگئی تو وزن کے بعد صحیح ثمرہ محنت، مشقت اور عمل کا مل جاتا ہے۔ تو معلوم ہوا کہ پہلے عمل اور روحِ عمل ہے اور آخری چیز اس کا وزن ہے کہ اس سے پتہ لگ جائے کہ اسنے جو محنت کی ہے تو اس نے کتنی چیز کمائی ہے۔ اگر مزارع ہو تو کہتے ہیں کہ اتنی لاریاں شوگر مل میں گئیں، اتنے

من گنا ہوا ، اتنے من گڑ ہوا ، اتنے من مکئی ہو گئی - اسی طرح کپاس اور گندم - تو مزارعتِ ظاہرہ میں جب تک وزن نہ آئے ، محنت کا آخری نتیجہ اور ثمرہ کھل کر سامنے نہیں آتا - بالکل اسی طرح وہ اعمال کہ جن کا نقشہ وحی سے تیار ہوا اور جان پڑ گئی نیت سے - اور ہم نے اس کے لئے محنت کی - اس کا ثمرہ اور نتیجہ وزنِ اعمال سے ہوگا - تو معلوم ہوا کہ فاتحۃ الکتاب اور خاتمۃ الکتاب آپس میں مربوط ہیں -

اس کے بعد اختصار کے ساتھ اس حدیث کے سلسلہ میں پہلے تو من جہت الحدیث کچھ بیان کرونگا ، پھر من حیث العربیہ یا من حیث اللغۃ دوسری چیز بیان کرونگا اور من جہت الکلام تیسری چیز اور من جہت العرفان پانچویں چیز -

(باقی آئندہ)

نعت

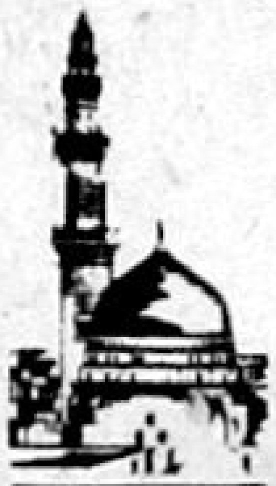

اک نامِ محمدؐ ہی تسکینِ دل و جاں ہے
ہر غم کا مداوا ہے ہر درد کا درماں ہے

مہکی ہے فضا جس کی گیسوئے محمدؐ سے
وہ رشکِ مشامِ جاں طیبہ کا گلستاں ہے

کیا شان ہے اے غازیؔ ! اس شاہِ دو عالم کی
اُمّی ہے لقب اس کا اور حاملِ قرآں ہے

رحمت کی نظر یارب ! امت پہ کرم یارب !
اُمت ترے پیارے کی مدت سے پریشاں ہے

از
جناب مسلم غازی آبادی
کراچی -

الشفاء بتعریف حقوق المصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم

مولفہ: قاضی ابو الفضل عیاض بن موسیٰ الاندلسی
مترجمہ: محترم نور محمد صاحب غفاری ایم اے، بہاولنگر

الباب الاول

فی ثناء اللہ تعالیٰ علیہ واظہارہ عظیم قدرہ لدیہ

چھٹی فصل

"اللہ تعالیٰ نے اپنے کلامِ پاک میں جو کلمات شفقت و اکرام کے طور پر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے حق میں ارشاد فرماتے ہیں، ان کے بارے میں —"

طٰہٰ ۝ مَآ اَنْزَلْنَا عَلَیْکَ الْقُرْاٰنَ لِتَشْقٰٓی ۝

طٰہٰ - کی تفسیر میں مفسرین حضرات کے متعدد اقوال ہیں۔

۱- یہ جناب صلی اللہ علیہ وسلم کے مبارک ناموں میں سے ایک[۱] ہے۔

۲- یہ بھی کہا گیا ہے کہ یہ اللہ عزوجل کے بابرکت ناموں میں سے ایک نام ہے۔

۳- یہ بھی کہا گیا ہے کہ اس سے مراد ہے۔ اے انسان! یعنی جناب فخر کونین کو مخاطب کیا جا رہا ہے۔

۴- اے آدمی!

۵- جناب واسطیؒ فرماتے ہیں "طٰہٰ" کے لفظ سے اللہ تعالیٰ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو "اے پاکیزہ! اے ہدایت کی طرف رہنمائی کرنے والے" کہنا چاہتے ہیں۔

۶- بعض مفسرینؒ نے یہ بھی کہا ہے کہ "طٰہٰ" "وط" مصدر سے امر کا صیغہ ہے اور "ہ" زمین کے لئے کنایہ ہے۔ یعنی اللہ تعالیٰ فرمانا چاہتے ہیں۔ اپنے دونوں قدموں سے زمین پر قیام کیا کریں اور ایک قدم پر کھڑا ہو کر

---

[۱] جناب صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ کے ہاں میرے دس نام ہیں ان میں ایک "طٰہٰ" بھی ہے اور حروف ابجد کا شمار کیا جائے تو "طٰہٰ" کے معنی ہیں چودھویں رات کا چاند البدر الکامل (شرح الشفاء عن ملا علی قاری)

اپنے آپ کو مشقت میں نہ ڈالیں[1]۔

مَآ اَنۡزَلۡنَا عَلَیۡکَ الۡقُرۡاٰنَ لِتَشۡقٰۤی ۔ ہم نے آپ پر قرآن اس لئے نازل نہیں فرمایا کہ آپ اپنے آپ کو مشقت میں ڈالدیں۔ جناب صلی اللہ علیہ وسلم شب بیداری، مشقت لوجہ اللہ اور قیام اللیل سے اپنے آپ کو تکلیف میں ڈال دیتے تھے۔ لہٰذا اللہ تعالیٰ نے آپؐ پر رحم فرماکر آپ کو منع فرمادیا۔

آیت کا شانِ نزول ہمیں قاضی ابو عبداللہ محمد بن عبدالرحمٰنؒ (اور بہت سے دیگر رواۃ) نے حضرت قاضی ابوالولید الباجیؒ سے اجازت کے طریق پر خبر دی ہے، مگر میں نے یہ خبر ان کی اصل کتاب میں دیکھی (یعنی قاضی ابوالولید باجیؒ کی اُس کتاب میں جو ان کے مشائخ کی روایات پر مشتمل ہے (واللہ اعلم)

حضرت قاضی ابوالولید باجیؒ فرماتے ہیں کہ انہیں ابوذر حافظ (عبدالرحمٰن بن احمد بن محمد بن عبداللہ بن عفیر بن خلیفہ ابن ابراہیم مالکیؒ) نے ابومحمد حموی (عبداللہ بن محمد بن حمویہؒ) سے بالواسطہ ابراہیم بن خزیم الشاشیؒ عن عبد بن حمیدؒ عن ہاشم بن القاسم عن ابی جعفر عن ربیع بن انس رضی اللہ عنہ بیان کیا ہے کہ حضرت ربیع بن انس رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ جناب صلی اللہ علیہ وسلم جب صلوٰۃ (اللیل) کے لئے قیام فرماتے تو ایک پاؤں پر کھڑے ہوتے اور دوسرا پائے مُبارک اٹھائے رکھتے (یہ سب کچھ خوشنودی باری تعالیٰ کے لئے تھا، مگر مہربان آقا کو یہ اچھا نہ لگا کہ اس کا بندہ اس کی رضا کے لئے اتنی مشقت جھیلے) لہٰذا آیت نازل فرمائی مَا اَنۡزَلۡنَا عَلَیۡکَ الۡقُرۡاٰنَ لِتَشۡقٰۤی ۔ یعنی اے محمدؐ! اپنے دونوں قدم زمین پر رکھیے۔ ہم نے قرآن آپؐ پر اس لئے نہیں اتارا کہ آپ اپنی جان تکلیف میں ڈالیں۔

جناب قاضی ابوالفضلؒ فرماتے ہیں کہ یہ بات کسی قسم کے شک و شبہ سے بالاتر ہے کہ اس آیت کریم میں اللہ تعالیٰ نے جناب صلی اللہ علیہ وسلم کا اعزاز و اکرام فرمایا ہے اور آپ کے ساتھ حسن معاملگی کا مظاہرہ فرمایا ہے کہ طٰہٰ آپ کے بابرکت ناموں میں سے ایک نام مقرر فرمایا ہے جیسا کہ اکثر مفسرینؒ کی رائے ہے۔ یا یہ کہ طٰہٰ اللہ تعالیٰ کا نام ہے جس کی قسم کھاکر اللہ تعالیٰ آپ پر یہ واضح کرنا چاہتے ہیں کہ جیسے آپؐ پر پہلے سے ہمارا فضل چلا آرہا ہے اسی طرح یہ بھی فضل و کرم ہے کہ آپ کو ایک قدم پر کھڑا دیکھا نہیں جاتا۔ لہٰذا دونوں قدموں پر کھڑے ہوا کیجئے۔

---

[1] مگر اس عباداتی مشقت کے بارے میں حضرت عائشہؓ اور حضرت ابوہریرہؓ سے منقول ہے کہ آپ رات بھر نوافل پڑھتے اور قیام اس قدر طویل فرماتے کہ آپؐ کے پائے مبارک متورم ہوجاتے۔ لہٰذا اللہ تعالیٰ نے آپؐ کی حالتِ زار پر بطور رحمت ایسا کرنے سے منع فرمادیا (کمافی الترمذی عن عائشہؓ و ابی ہریرہؓ)

اور شفقت اور رحمت کی اسی قبیل سے وہ آیت ہے جس میں اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں :

فَلَعَلَّكَ بَاخِعٌ نَّفْسَكَ عَلٰٓى اٰثَارِهِمْ اِنْ لَّمْ يُؤْمِنُوْا بِهٰذَا الْحَدِيْثِ اَسَفًا۔

پس شاید آپ اپنے آپکو اس تاسف میں ان کے پیچھے پڑ کر گھلالیں گے کہ وہ اس بات (قرآن مجید) پر ایمان نہیں لاتے ۔

یعنی کیا آپ اس غضب، غصہ اور غم میں اپنے آپ کو ہلاک کر ڈالیں گے کہ یہ لوگ ایمان نہیں لاتے۔

ایک دوسرے مقام پر ارشاد ہے ۔

لَعَلَّكَ بَاخِعٌ نَّفْسَكَ اَلَّا يَكُوْنُوْا مُؤْمِنِيْنَ

شاید آپ اپنی جان (اس غم میں) گھلادیں گے کہ وہ ایمان کی دولت سے سرفراز نہیں ہوتے.

پھر اللہ تعالیٰ آپ کی دلجوئی کے لئے فرماتے ہیں :

اِنْ نَّشَاْ نُنَزِّلْ عَلَيْهِمْ مِّنَ السَّمَآءِ اٰيَةً فَظَلَّتْ اَعْنَاقُهُمْ لَهَا خَاضِعِيْنَ ۔

اگر ہم چاہتے تو آسمان سے ایسی نشانی اتار دیتے جسکے سامنے انکی گردنیں مارے ذلت کے خم ہو جاتیں۔

مگر اللہ تعالیٰ کسی کو جھکا کر دین کی طرف مائل نہیں فرماتے (لا اکراہ فی الدین)

اسی قسم کا ارشاد باری ہے :

فَاصْدَعْ بِمَا تُؤْمَرُ وَاَعْرِضْ عَنِ الْمُشْرِكِيْنَ ٥ اِنَّا كَفَيْنٰكَ الْمُسْتَهْزِئِيْنَ الَّذِيْنَ يَجْعَلُوْنَ مَعَ اللّٰهِ اِلٰهًا اٰخَرَ فَسَوْفَ يَعْلَمُوْنَ ٥ وَلَقَدْ نَعْلَمُ اَنَّكَ يَضِيْقُ صَدْرُكَ بِمَا يَقُوْلُوْنَ فَسَبِّحْ بِحَمْدِ رَبِّكَ وَكُنْ مِّنَ السّٰجِدِيْنَ ٥ وَاعْبُدْ رَبَّكَ حَتّٰى يَاْتِيَكَ الْيَقِيْنُ ٥

(الحجر - ۹۴ تا ۹۹)

جس چیز (دعوت و تبلیغ) کا آپکو حکم دیا گیا ہے اسے واضح فرما دیجئے اور مشرکین سے اعراض فرمالیں ہم نے ٹھٹھا کرنے والوں کے مقابلہ میں آپ کی کفایت کی ہے وہ لوگ جو اللہ تعالیٰ کے ساتھ دوسرا معبود ٹھہراتے ہیں وہ جلد جان لیں گے (کہ وہ کس قدر گھاٹے میں تھے) اور ہم یقیناً جانتے ہیں کہ ان کی باتوں سے آپ دل برداشتہ ہوتے ہیں، مگر اپنے پروردگار کی حمد کیساتھ تسبیح کیجئے اور سجدہ کرنیوالوں میں ہو جایئے اور اپنے پروردگار کی عبادت کیجئے۔ یہاں تک کہ آپ کو موت آجائے ۔

اسی طرح اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے :

وَلَقَدِ اسْتُهْزِئَ بِرُسُلٍ مِّنْ قَبْلِكَ ۔ — اور البتہ آپؐ سے پہلے رسولوں کے ساتھ بھی اسی طرح ٹھٹھا مخول کیا گیا۔

حضرت مکیؒ فرماتے ہیں کہ اس آیت شریفہ سے اللہ تعالیٰ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو تسلی دیتے ہیں اور کفار کی تکذیب سے جو آپ کو تکلیف ہوتی ہے اسے ہلکا کرتے ہیں اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو بتاتے ہیں کہ جس کسی نے کفر کی روش پر اصرار کیا اور اپنی ہٹ دھرمی سے باز نہ آیا ہم اس کو ویسا ہی عذاب دیں گے جیسا ان لوگوں کو دیا گیا (کہ جنہوں نے پہلے انبیاء کرامؑ کی تکذیب کی اور اپنی ضد پر قائم رہے)

اللہ تعالیٰ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی طمانیت قلب کے لئے فرماتے ہیں :

وَاِنْ يُّكَذِّبُوْكَ فَقَدْ كُذِّبَتْ رُسُلٌ مِّنْ قَبْلِكَ ۔ — اور اگر یہ لوگ آپ کی تکذیب کرتے ہیں (تو کیا ہوا) آپ سے پہلے رسولوں کی بھی اسی طرح تکذیب کی گئی۔

ایک دوسرے مقام پر فرمایا :

كَذٰلِكَ مَاۤ اَتَى الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ مِّنْ رَّسُوْلٍ اِلَّا قَالُوْا سَاحِرٌ اَوْ مَجْنُوْنٌ ۔ — اور اسی طرح پہلوں کے پاس جب بھی کوئی رسول آیا تو اسے انہوں نے جادوگر اور دیوانہ کہا۔

الغرض اللہ تعالیٰ اس طرح امم سابقہ کے حالات، انبیاء کرام علیہم السلام کے ساتھ ان کا غلط رویہ، انبیاء کرامؑ کی کڑی آزمائشوں اور ان کے مقام، ان مقدس ہستیوں کی پامردگی کے واقعات سنا کر جناب صلی اللہ علیہ وسلم کے عزم کو پختگی بخشتا ہے اور کفار مکہ کی تکالیف کے مقابلہ میں آپ کے عزم بالجزم کی تعریف فرما کر آپ کو تسلی دیتا ہے اور آپ کو سمجھاتا ہے کہ آپ پہلے حق گو انسان نہیں ہیں جس کی تکذیب کی جا رہی ہے۔

پھر اللہ تعالیٰ آپ کو راضی کرنے کے لئے اور آپ کا عذر ظاہر کرنے کے لئے فرماتا ہے اعرض عنھم (ان سے اعراض فرمالیجئے) فما انت بملوم - یعنی دعوت و تبلیغ کا جو فریضہ آپ کو سونپا گیا تھا اس میں آپ نے کوئی کوتاہی نہیں کی (اس کے باوجود کفار انکار کریں تو یہ ان کی بدبختی ہے کہ جہنم کا ایندھن بن رہے ہیں)

مزید فرمایا :

وَاصْبِرْ لِحُكْمِ رَبِّكَ فَاِنَّكَ بِاَعْيُنِنَا ۔ — اور اللہ تعالیٰ کے حکم کا صبر سے انتظار کیجیے ہم آپکو دیکھ رہے ہیں۔

(باقی صک۱ پر)

اعلیٰ اخلاق کا معلّم

سرمایہ پرستی کا دشمن ○ انسانیت کا حامی ○ شرافت کا علمبردار

حضرۃ علامہ مولانا سیّد محمّد میاں مدّظلہم

(قسط: ۲)

انسان کی فطرت، تمدن اور اس کی بنیاد

خاتمۂ ملکیت کا دور رس نتیجہ

فطرتِ انسان کسی ایک شہر یا کسی ایک ملک کے انسان کو نہیں، بلکہ دنیا کے کسی گوشے کے کسی انسان کو لیجیے۔ وہ کالا ہو یا گورا، عربی بولتا ہو یا انگریزی، اُردو ہو یا ہندی اس کو خاندان کے رشتہ داروں سے الگ کر دیجیے، وہ اگر تنہا ہو گا تو ہزاروں میں کوئی ایک دو ہی ایسا ہو گا جو اس تنہائی میں بھی عالی شان محل، اعلیٰ قسم کی کوٹھی یا قیمتی لباس کو تلاش کرے گا۔ تنہا آدمی کو کسی چیز کا شوق تو کیا ہوتا اس کو خود اپنی زندگی وبال معلوم ہونے لگتی ہے۔ شوق کی چیزوں سے اُسے وحشت ہوتی ہے۔ آراستہ مکان کے بجائے جھونپڑی اسے بھلی معلوم ہوتی ہے جو درختوں کے جھنڈ یا کسی پہاڑ کی چوٹی پر ہو۔ تانبے، پیتل، چینی یا بلوری برتن اسے زہر خند معلوم ہوتے ہیں۔ معمولی پتیلی بلکہ مٹی کی ہنڈیا، لکڑی یا لوہے کے تسلے، مٹی کے بدھنے، لوٹے، لٹیا یا تومڑے سے کھانے پینے کی ضرورتیں پوری کرتا ہے اور وہ انہیں کو کافی سمجھتا ہے۔ وہ پیٹ بھرنے کے لئے کسی شکار کے ادھ کچرے گوشت ورنہ کسی درخت کے پھل کو غنیمت سمجھتا ہے۔ مسہری صوفا سیٹ یا چارپائی اسکو بے بیکار معلوم ہوتی ہے۔ فرش زمین اس کا بستر ہو جاتا ہے۔ اعلیٰ قسم کے لباس سے بھی اس کو نفرت ہوتی ہے۔

یہ بیوی بچے ہی ہیں جو اس کی طبیعت میں آرام دہ مکان اور عمدہ قسم کے فرنیچر کی طلب پیدا کرتے ہیں، سردیوں میں لحاف، توشک اور گرم کپڑوں کی تلاش ہوتی ہے وہ اپنے ہم پیشہ اور ہمسر پڑوسیوں کی نظر میں حقیر رہنا پسند نہیں کرتا تو اپنا مکان، سامان، لباس اور پوشاک بہتر بنانا چاہتا ہے۔ بچوں کے لئے

بھی وضع کے مطابق اچھے کپڑے اور شوقین مزاج ہے تو فیشن کے مطابق ڈریس تیار کراتا ہے۔

بلاشبہ بال بچے اور اہل وعیال انسان کی طبیعت میں بخل پیدا کر دیتے ہیں کہ وہ دوسروں کو بخشش کرنے کے بجائے اپنے بیوی بچوں کی ضرورتوں کو مقدم رکھنے لگتا ہے۔

ننھے بچے اس میں یہ کمزوری بھی پیدا کر دیتے ہیں کہ اس کو اپنی جان زیادہ پیاری ہو جاتی ہے وہ خطرے کے موقعہ سے اپنے آپ کو محفوظ رکھتا ہے کہ اگر کسی فوجداری کیس میں سزا ہو جائے تو وہ جیل میں ہوگا اور بچے گھر پر بھوکے رہیں گے۔ اگر بلوہ میں جان جاتی رہے تو اسکی بیوی بیوہ اور بچے یتیم اور بے یار و مددگار رہ جائینگے ان کا مستقبل برباد ہو جائے گا وغیرہ وغیرہ۔

لیکن یہ بال بچے اس میں ایثار پیدا کرتے ہیں، اہل وعیال کی پرورش ان کی زندگی کا مقصد بن جاتی ہے لہٰذا وہ تن پروری چھوڑتا ہے۔ راحت و آرام کو قربان کرتا ہے۔ خدمت خلق کا پہلا باب یہ ہے کہ بیوی یا کوئی بچہ بیمار پڑ جاتا ہے تو وہ رات کی نیند حرام کر لیتا ہے۔ جاگنے کی تکلیف برداشت کرتا ہے تاکہ بیوی کو آرام پہنچا سکے یا بچے کو لوری دیکر سلا سکے۔

اچھے مکان، عمدہ فرنیچر، اعلیٰ لباس کی طلب اس میں بڑھ جاتی ہے، مگر اپنے لئے نہیں، بیوی بچوں کے لئے۔ وہ اپنی رفیقۂ حیات یا اپنے عزیز بچوں کو عالی شان محل، شاندار کوٹھی اور بہترین باغیچہ میں رکھنا چاہتا ہے۔ عموماً یہی اس کا مقصد حیات بن جاتا ہے۔

اس کی یہ محبت، یہ خوشی اور زندگی کا یہ نصب العین اگرچہ انفرادی ہے اور خاص اپنے گھر کے حلقے میں محدود ہے، مگر کیا اس سے تمدن میں اضافہ نہیں ہو رہا؟ شہریت کی عمارت بلند نہیں ہو رہی؟ صنعت و حرفت کی سطح اونچی نہیں ہو رہی؟ اور انسانی دماغ نئی ایجادات میں مصروف رہ کر ملک، وطن اور قوم کو آگے نہیں بڑھا رہا؟

بیشک محبوبۂ حیات اور ننھے بچوں کی محبت نے اس کو بزدل بنا دیا، وہ اپنی حفاظت کا زیادہ اہتمام کرنے لگا۔ اس کو اپنی زندگی سے جو پیار پہلے تھا اب وہ بڑھ گیا، لیکن اگر کسی وقت بال بچوں پر آنچ آئے تو کیا اس کے دل کی تڑپ یہ نہ ہوگی کہ وہ اپنے اہل وعیال کی جان اور ان کی آبرو بچانے کے لئے اپنی جان قربان کر دے۔ یہ جذبۂ دفاع کی پہلی منزل ہے جو اس کو دفاع کی آخری منزل کا راستہ بتاتی ہے کہ وہ اپنی قوم، وطن اور ملک کی حفاظت کے لئے ہنسی خوشی جان دینے کے واسطے تیار ہو جاتا ہے اور اس کو معمولی بات سمجھنے

لگتا ہے کہ اپنی دولت خرچ کر کے یا اپنے ذرائع کام میں لا کر وطن اور ملک کی دفاعی طاقت کو مضبوط کرے۔

آپ نے دیکھا، قرابت، رشتہ داری اور خانگی کا نظام کا اثر صرف ایک فرد کی انفرادی زندگی تک محدود نہیں رہا، وہ آگے بڑھا اور تعمیر و ترقی کے ہر ایک شعبہ پر چھا گیا۔

یہ تمام شاخیں اسی ایک جڑ کی ہیں جس کو قرآن نے نسبؔ اور صہر کہا ہے، یعنی صلبی اولاد کا سلسلہ ہو کہ انسان کے بچے ہوں یا اس کے ماں باپ کی اولاد ہو، یا ازدواجی رشتہ ہو کہ اس کا کوئی داماد ہو یا یہ کسی کا داماد ہو۔ یہ سب اللہ تعالےٰ کے وہ انعامات ہیں جو صرف افزائشِ نسل کا ذریعہ نہیں بلکہ انسانی سماج کے پورے تمدن کی اصل بنیاد ہیں۔

بڑے بڑے شہروں کی سربفلک عمارتوں، عالی شان محلات کی اونچی اونچی برجیوں اور بڑی بڑی فیکٹریوں کی دیو قامت چمنیوں کی تمام بلندیاں، آبادیوں اور شہروں کی چہل پہل، بازاروں اور منڈیوں کی تمام رونق، ان سب کی بنیاد اس اینٹ پر ہے جس کو فیملی، خاندان، گرہستی یا عیال داری کہا جاتا ہے، جس کو قرآن نے نسب اور صہر کے دو لفظوں سے تعبیر کیا ہے۔

آپ عیال داری کے بار کو ہلکا کرنا چاہتے ہیں۔ آپ نسب اور صہر کی نعمت کو ٹھکراتے ہیں تو آپ تعمیر و تمدن کی یہ جنت اپنے ہاتھوں سے برباد کر رہے ہیں۔

آج جو لوگ ملکیت کو ختم کر کے خاندانی سلسلہ کو غیر فطری قرار دے رہے ہیں، کیا وہ ایسی زندگی کو دعوت نہیں دے رہے ہیں جہاں تمدن کا نام و نشان نہ ہو اور انسان وحشی جانوروں کی طرح پہاڑوں اور جنگلوں کو اپنا مسکن بنائے۔

اگر مادر و پدر سے آزاد کر کے بچوں کی پرورش جنرل وارڈوں میں ہونے لگے تو ان کی اگلی یا اگلی سے اگلی نسل کی دلچسپیاں صرف جنسی خواہشات میں محدود ہو جائیں گی جن کو وہ آبادیوں کی بجائے جنگلوں میں آزادی سے پورا کر سکیں گے۔

ممکن ہے کوئی صاحب اُسی کو فطرتِ انسانی قرار دیں، مگر پہلے ان کو اس بات کا ثبوت دینا ہوگا کہ انکے دماغ میں خلل نہیں ہے اور ان کا مزاج صحیح ہے۔

یرقان زدہ سفید کو زرد ہی دیکھتا ہے، لیکن یہ اس کی نظر کی خرابی ہوتی ہے، بیمار آدمی میٹھے کو کڑوا کہنے لگے تو اس سے میٹھا اس کی فطرت نہیں بدل جاتی۔ دنیا ایسے مریض کی تصدیق نہیں کرے گی، بلکہ اس کو علاج کرنے

کا مشورہ دے گی اور اس کے حق میں سب سے بڑی خیر خواہی یہی ہو گی کہ اسکو کسی نرسنگ ہوم میں داخل کیا جائے۔

قرابت اور رشتہ داری کی اہمیت اور خاتمۂ ملکیت کے تمدن کش نتائج

(۱) "رحمٰن" اللہ کا نام ہے (بہت مہربانی کرنے والا) قرآن پاک کی سب سے پہلی سورت میں رب العٰلمین کے بعد الرحمٰن ہی آیا ہے۔

الحمد للہ رب العٰلمین ہ الرحمٰن الرحیمؕ کسی بھی اچھے کام کو شروع کرتے وقت "بسم اللہ" پڑھی جاتی ہے تو "اللہ" کے ساتھ یہ نام (الرحمٰن) بھی لیا جاتا ہے۔

"بسم اللہ الرحمٰن الرحیمؕ"

قرآن کریم میں ہر سورت کے شروع میں بسم اللہ الرحمٰن الرحیمؕ لکھی جاتی ہے اور تلاوت کے وقت پڑھی جاتی ہے۔

"رحم" کے معنی مہربانی ہیں اور عربی میں رشتہ داری کو بھی رحم کہا جاتا ہے۔ "ذی رحم" رشتہ دار۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے لفظ "رحمٰن" کو درخت سے تشبیہہ دیتے ہوئے نہایت ہی لطیف اور مؤثر پیرایہ میں رحم اور قرابت کی وہ حیثیت بیان فرمائی ہے جو اسلامی تعلیمات میں اسکو حاصل ہے۔ بڑے درخت کی جڑ میں بھی شاخیں ہوتی ہیں جن کو "بیل" کہا جاتا ہے۔ یہ زمین کے اندر پھیلی ہوئی ہوتی ہیں اور ان کا جال دار سلسلہ زمین کی رگوں میں گندھا ہوا دُور تک چلا جاتا ہے۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: الرحم شجنۃ من الرحمٰن۔

یعنی لفظ رحمٰن کو ایک درخت فرض کیا جائے تو یہ سمجھو کہ رحم اور قرابت اسی درخت کی جالدار بیل ہے۔ اس کی تفسیر یا تاثیر خود آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے الفاظ میں یہ ہے۔

من وصلک وصلتہٗ ومن قطعکٗ قطعتہٗ (بخاری شریف ۸۸۵)

ترجمہ: جو تجھ سے جوڑے، میں اس سے جوڑونگا، جو تجھ سے توڑے، میں اس سے توڑونگا۔

یعنی اللہ تعالیٰ نے رشتہ داری اور قرابت کو جو شجرِ رحمت کی ایک بیل ہے۔ یہ ضمانت دے دی ہے

کہ جو تجھ کو (یعنی رحم و قرابت) کو جوڑے گا اور اس کے حقوق ادا کرے گا۔ اس سے اللہ تعالیٰ بھی امداد و اعانت اور رحم و کرم کا رابطہ قائم رکھے گا اور جو رشتہ داروں سے توڑے گا اور ان سے بُرا سلوک کریگا اللہ تعالیٰ بھی اس سے اپنے فضل و کرم کا رابطہ منقطع کرے گا۔

(۲) انسانی زندگی کا ایک سرا خالق سے جڑا ہوا ہے۔ دوسرا مخلوق سے جس کی ابتدا۔ ماں باپ سے ہوتی ہے۔

اسلام کا حقیقت پسندانہ مطالبہ یہ ہے کہ انسان خالق کے حق میں انصاف اور خود داری سے کام لے (جو خالق نہیں ہے اس کو خالق نہ قرار دے۔ جو خدا نہیں ہے اس کے آگے گردن جھکا کر اپنی خودی کو ذلیل نہ کرے) دوسری طرف ماں باپ کا احسان مان کر احسان کا بدلہ احسان سے دے۔

وَقَضٰی رَبُّكَ اَنْ لَّا تَعْبُدُوْٓا اِلَّآ اِیَّاهُ وَبِالْوَالِدَیْنِ اِحْسَانًا ؕ (بنی اسرائیل ع ۳)

تمہارے رب نے یہ فیصلہ کر دیا (اور یہ بات ٹھہرادی) کہ اس کے (خالق کے) سوا کسی کی بندگی نہ کرو اور یہ کہ اپنے ماں باپ کے ساتھ بھلائی کرو۔

اس آیت کی اہمیت کا اندازہ اس سے ہوتا ہے کہ احسان بالوالدین کو مطالبہ توحید کے ہمدوش کر دیا گیا ہے۔

(۳) احسان اور حسن سلوک کا سلسلہ ماں باپ سے بڑھ کر بہن بھائیوں اور تمام رشتہ داروں تک پہنچتا ہے اور اسلام نے پڑوسیوں کا بھی وہی حق مقرر کیا ہے جو رشتہ داروں کا، فرق صرف یہ ہے کہ کچھ رشتہ دار وارث بھی ہوتے ہیں اور پڑوسیوں کو ترکہ میں حصہ نہیں ملتا۔ (صحاح)

پڑوسی رشتہ دار بھی ہو سکتے ہیں اور اجنبی بھی۔ پھر کچھ اجنبی (غیر رشتہ دار) وہ ہوں گے جن سے آپ کی دید و شنید ہے۔ آپ کے مجلسی دوست ہیں یا ان سے کوئی اور تعلق ہے۔

قرآن حکیم نے ان تمام تعلقات کو ایک لڑی میں پرو کر اس خوبصورت تسبیح (مالے) کو عبادتِ خداوندی کی محراب میں آویزاں کر دیا ہے۔ عبادت صرف خدا پرستی کا نام نہیں رہا بلکہ ان حقوق کا احترام بھی عبادت کا جزو بن گیا۔

سورہ نساء کے رکوع ۵۔ آیت ۳۶ میں روحانی اور جسمانی تعلقات کا سنگم ملاحظہ فرمائیے:۔

وَاعْبُدُوا اللّٰهَ وَلَا تُشْرِكُوْا بِهٖ شَیْئًا ۔۔۔۔ تا عَذَابًا مُّهِیْنًا ؕ

(ترجمہ) اللہ کی بندگی کرو اور کسی چیز کو اس کے ساتھ شریک نہ ٹھہراؤ اور ماں باپ کے ساتھ اچھا سلوک رکھو (اسی طرح) قرابت داروں کے ساتھ، یتیموں اور مسکینوں کے ساتھ اور پڑوسیوں کے ساتھ، خواہ وہ رشتہ دار پڑوسی ہوں، خواہ اجنبی ہوں (جن سے خاندانی رشتہ نہ ہو) (اسی طرح) پاس کے اٹھنے بیٹھنے والے دوست (جو رشتہ نہیں رکھتے) اور ان کے ساتھ جو مسافر ہوں اور وہ لونڈی غلام جو تمہارے قبضہ میں ہوں ان سب کے ساتھ احسان اور اچھے سلوک سے پیش آؤ۔

اللہ ان لوگوں کو دوست نہیں رکھتا جو اترانے والے اور ڈینگیں مارنے والے ہیں، جو خود بھی بخیلی کرتے ہیں اور دوسروں کو بھی بخل کرنا سکھاتے ہیں اور جو کچھ خدا نے اپنے فضل و کرم سے دے رکھا ہے (اسے خرچ کرنے) کے بجائے چھپا کر رکھتے ہیں (یاد رکھو) ان لوگوں کے لئے جو ہماری نعمتوں کی ناشکری کرتے ہیں ہم نے رسوا کرنے والا عذاب تیار کر رکھا ہے۔

یہاں رشتہ اور قرابت کے حقوق و فرائض بیان کرنے مقصود نہیں ہیں۔ مقصد صرف یہ ہے کہ صرف سماج اور معاشرہ کا یہ گلدستہ جو حسین پھولوں سے آراستہ ہے، جو فطری طور پر تمدن اور تعمیر عالم کا سنگِ بنیاد ہے۔ اسلام جو امن عالم اور صالح تعمیر و تمدن کو ایک اہم مقصد اور نصب العین قرار دیتا ہے اور فرد کی زندگی کو مطمئن اور خوشگوار بنانا چاہتا ہے، وہ اس گلدستہ کو زیادہ سے زیادہ شاداب اور تر و تازہ رکھنا چاہتا ہے۔

مذہب تعلقات کے سلسلہ میں بنیادی حیثیت رکھتا ہے، مذہب کا اتحاد نہ ہو تو ایک دوسرے کا وارث بھی نہیں ہوتا، قانون اسلام نہ کسی مسلمان کو غیر مسلم رشتہ دار کا وارث بناتا ہے۔ نہ کسی غیر مسلم کو مسلمان کے ترکہ کا مستحق قرار دیتا ہے۔ لیکن جہاں تک قرابت اور رحم کا تعلق ہے وہ حسنِ سلوک کو ہر حالت میں لازمی قرار دیتا ہے۔

ماں باپ نے اگر آپ کی دعوت قبول نہیں کی تو اس کے یہ معنی ہرگز نہیں ہیں کہ وہ ان حقوق سے بھی محروم ہو گئے جو زندگی میں ان کو ماں یا باپ ہونے کی حیثیت سے ملنے چاہئیں۔ ارشادِ خداوندی ہے۔

وَاِنْ جَاھَدَاكَ عَلٰٓی اَنْ تُشْرِكَ　(سورہ لقمان ع ۱ آیت ۱۵)

ترجمہ: اگر ماں باپ تجھ سے اس بات پر جہاد کریں یعنی جملہ وسائل و ذرائع اور تمام طاقت صرف کر کے اس بات پر اصرار کریں کہ کسی ایسے کو میرا (خداوند عالم) کا شریک گردان لو۔ جس کا کوئی علم (کوئی ثبوت) تمہارے پاس نہیں ہے تو ماں باپ کی یہ بات نہ مانو اور اس سلسلہ میں ان کی اطاعت مت کرو، جہاں تک آپس کے معاملات اور رہن سہن کا تعلق ہے، تم ان کے ساتھ بھلی طرح اور دستور کے مطابق

رہو جو ماں باپ کے ساتھ رہنے کا جانا بوجھا طریقہ ہے۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم جس شدّت اور قوت کے ساتھ صلح، آشتی اور رشتہ داروں کے ساتھ حسن سلوک کی تعلیم دیا کرتے تھے۔ اس کا نتیجہ یہ تھا کہ آپ کے تربیت یافتہ صحابہ حسنِ سلوک کو بھی ایمان کا جزو سمجھنے لگے تھے اور یہ بات ذہنوں میں پختہ ہو گئی تھی کہ اسلام سے برگشتہ ہونے کے یہ معنی ہیں کہ ہم اپنے رشتہ داروں کے حق میں بھی بدسلوکی پر اتر آئیں۔ ایک طرف صلح اور آشتی چھوڑ کر ملک میں فساد برپا کریں، تعمیر و تمدن کو نقصان پہنچائیں۔ دوسری جانب خود اپنوں کے گلے کاٹیں جیسا کہ ماضی میں یہ سب کچھ کرتے رہے تھے۔

فھل عسیتم ان تولیتم ۔ (سورۂ محمد ع ۳)

ترجمہ: اے مسلمانو! اگر تم اسلام سے برگشتہ ہوتے ہو تو کیا پھر ایسا نہ ہوگا کہ ملک میں فساد برپا کرنے لگو اور رشتوں اور ناتوں کو توڑو (برادر کشی کرو اور آپس ایک دوسرے کا گلا کاٹو)۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی صلح پسندی اور بلا امتیاز دین و مذہب، رشتہ داروں کے ساتھ حسن سلوک اور حقوق قرابت کی پاسداری اس درجہ مشہور اور مسلّم تھی کہ رومۃ الکبریٰ کے شہنشاہ (ہرقل) کے دربار میں خود اس کی طلب پر جب قریش کے سربرآوردہ نمائندے پیش ہوئے اور اس نے ان سے دریافت کیا کہ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) جو نبوت کا دعویٰ کر رہے ہیں) اور انہوں نے مجھے بھی اسلام کی دعوت دی ہے وہ کیا بتاتے ہیں تو ابوسفیان جیسے دشمنِ اسلام کا بھی بے ساختہ جواب یہ تھا۔

یامرنا بالصلوٰۃ والصدق والعفاف والصلۃ ۔

ابوسفیان قریش مکہ کے سردار، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے حریف تھے۔ اس گفتگو سے تقریباً تین سال پہلے غزوۂ احزاب کے مشہور معرکہ میں اسلام کے برخلاف عرب کی متحدہ فوجوں کی کمان انہیں کے ہاتھ میں تھی، جب شہنشاہ ہرقل نے ان سے محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی تعلیمات معلوم کیں تو جواب دیتے وقت اس حقیقت کو کسی طرح بھی نہیں چھپا سکے کہ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) ہمیں نماز کی ہدایت کرتے ہیں اور ہمیں سچائی، پاکدامنی اور رشتہ داروں سے حسن سلوک کی تعلیم دیتے ہیں۔

مختصر یہ کہ (۱) خاتمۂ ملکیت اگرچہ ایک بسیط عمل ہے کہ ایک فرد کو آپ تہی دست کر دیتے ہیں، مگر اس کا نتیجہ ہمہ گیر تباہی، بربادی، وحشت اور بربریت ہے۔

(۲) اہل و عیال اور خاندانی نظام۔ اگرچہ ایک فرد کی زندگی کے لئے سکون و مسرت کا سامان ہوتا ہے، مگر

(باقی صفحہ ۳۱ پر)

ذکر اور شکر

تقریر : حضرۃ شیخ الاسلام مولانا سیّد حسین احمد مدنی رحمہ اللہ تعالیٰ

ترتیب : مولانا سید رشید الدین حمیدی
مرسلہ الحاج عبد الکریم صاحب صابر، ڈیرہ اسمٰعیل خان

الحمد للہ وکفیٰ وسلام علی عبادہ الذین اصطفیٰ

میرے بھائیو اور بزرگو!

مجھے آپ حضرات کے سامنے چار باتیں عرض کرنی ہیں۔ ان میں سے ہر ایک بات اسقدر تفصیل رکھتی ہے کہ جس کے بیان کے لئے بہت وقت چاہیئے۔ میں اپنی کمزوری کی وجہ سے تفصیل سے عرض نہیں کرسکتا۔ ضعف نہ ہوتا تو میں ہر بات میں کچھ تھوڑا تھوڑا عرض کرتا۔ جیسا کہ سلہٹ میں عرض کرتا تھا۔

پہلی بات! میں آپ حضرات کی توجہ خدا کی طرف دلانا ضروری سمجھتا ہوں۔ اللہ تعالیٰ کی نعمتیں ہمیشہ تمام مخلوقات کی طرف متوجہ رہتی ہیں، مگر خصوصی طور پر انسان کی طرف بڑے پیمانہ پر متوجہ ہیں۔ ہر ایک انسان کو خدا کو یاد کرنا اور اس کا شکریہ ادا کرنا بہت ضروری ہے۔ خدا نے تمام مخلوقات کو جاندار ہوں، بے جان، مادی ہوں، غیر مادی، آسمانی ہوں یا ارضی سب کو پیدا کیا اور وجود کی نعمت عطاء کی۔ ان سب پر فضیلت انسان کو دی۔ لَقَدْ خَلَقْنَا الْاِنْسَانَ فِیْ اَحْسَنِ تَقْوِیْم۔ انسان کی فضیلت اور بڑائی کو چار قسموں کے بعد ذکر کیا گیا۔ انسان کی پیدائش تمام مخلوقات میں سب سے اچھی پیدائش ہے۔ یہ اللہ تعالیٰ کا بڑے درجے کا انعام ہے۔ اللہ تعالیٰ کی مخلوقات میں فرشتے، جنات، فلکیات، ارضیات سب ہیں، مگر سب سے اچھی مخلوق انسان کو قرار دیا اور اسکو اپنا خلیفہ بنایا۔ حالانکہ سب سے زیادہ تقویٰ فرشتوں میں تھا اور وہ خواہش بھی رکھتے تھے کہ ان کو اپنا جانشین بنایا جائے، مگر اللہ تعالیٰ نے یہ شرف صرف انسان کو عطا فرمایا اور اعلان فرمایا کہ اِنِّیْ جَاعِلٌ فِی الْاَرْضِ خَلِیْفَۃ۔ تو فرشتوں نے عرض کیا کہ مٹی سے بننے والا انسان جس کے اندر خیر اور شر دونوں داخل ہیں۔ اس کو جانشینی کا رتبہ کیوں عطاء کیا جاتا ہے اور یہ شبہ کیا کہ اسکو کیوں خلافت کے عہدے سے

سرفراز کیا گیا۔ جو آپس میں شر و فساد مچاتا اور اپنے بھائیوں کو غارت کرتا ہے، حالانکہ ہم اس کے زیادہ مستحق ہیں کہ ہماری اصل نور سے ہے۔ مگر ان کے اس شبہ کا جواب جھڑک کر دیا گیا اور فرمایا گیا۔ اِنِّیْ اَعْلَمُ مَالَا تَعْلَمُوْنَ اور حضرت آدم علیہ السلام کو ساری چیزوں کا علم عطا کیا گیا۔ پھر امتحاناً مقابلہ کرایا گیا اور پاس کیا گیا۔ فرشتے فیل ہو گئے۔ جب حضرت آدم علیہ السلام کا پاس ہونا اور فرشتوں کا عاجز ہونا ظاہر ہو گیا تو پھر فرشتوں کو حکم دیا گیا کہ وہ حضرت آدم علیہ السلام کو سجدہ کریں۔ اور جب حضرت آدم علیہ السلام کی بڑائی اور فوقیت ظاہر ہو گئی تو جس نے آپ کی بڑائی اور فوقیت کا انکار کیا اس کو وہاں سے نکلوا دیا گیا اور مردودِ بارگاہ کیا گیا۔ اور ہم لوگوں کو اسی خلیفہ کی اولاد میں ہونا عطا فرمایا گیا۔ جس کو تمام فرشتوں نے سجدہ کیا تھا۔ یہ کوئی معمولی انعام نہیں۔ اسمیں ہم سب شریک ہیں۔ خدا تعالیٰ نے ہم سب کو اس سے نوازا۔ اگر وہ ہمکو کیڑا مکوڑا بنا دیتا، کتا، بلی بنا دیتا۔ گدھا بنا دیتا تو کیا ہمارا اس پر کچھ زور تھا، مگر اللہ تعالیٰ نے ہم پر اپنا فضل فرمایا اور اشرف المخلوقات بنایا اور جو تمام مخلوقات میں سجدہ کا مستحق تھا اور رب العالمین کی جانشینی کا مرتبہ رکھنے والا ہمکو اس کی اولاد میں بنایا۔ یہ اسکا بہت بڑا انعام ہے اور اس نے ہم کو احسن تقویم والا انعام دیا۔ یہ تو عمومی انعام ہے اور خصوصی انعام کو ہم شمار نہیں کر سکتے۔ دیکھئے ماں کے پیٹ میں ہم کو ساری چیزیں عطا کیں، آنکھ دی، ناک دی، کان دیئے، ہاتھ دیئے، پیر دیئے، دل و دماغ دیئے، سر سے پیر تک ساری چیزیں عطا کیں۔ اگر وہ چاہتا تو ہمکو اندھا پیدا کرتا، لولا لنگڑا پیدا کرتا، اپاہج بنا دیتا مگر اللہ تعالیٰ نے ہمکو ان تمام نعمتوں سے نوازا اور صحیح و تندرست پیدا کیا اور ایک ایک عضو میں بے شمار نعمتیں عطا فرمائیں کہ اگر ان کو کوئی گننا چاہے تو گن نہیں سکتا۔ وَاِنْ تَعُدُّوْا نِعْمَۃَ اللّٰہِ لَا تُحْصُوْھَا (الآیۃ) مگر انسان اسقدر نمک حرام ہے کہ اس کی دی ہوئی تمام چیزوں سے کام لیتا ہے، مگر کسی وقت بھی پھوٹے منہ سے اس کا نام نہیں لیتا۔ اس کا احسان نہیں مانتا، اس کا شکر ادا نہیں کرتا۔ اسی طرح اور بہت سے احسانات ہیں۔ سب سے بڑی چیز ہم کو اسلام و ایمان کی نعمت عطا فرمائی، کروڑوں انسان دنیا میں ایسے ہیں جو اس نعمت سے محروم ہیں۔ مگر ہم اس کا بالکل خیال نہیں کرتے، پہلی ہر امت میں ایمان تھا اور وہ لوگ خواہش بھی کرتے تھے کہ کاش ان کو محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی امت میں پیدا کیا گیا ہوتا، مگر خدا نے ہم پر یہ فضل کیا کہ اپنے تمام پیغمبروں کے سردار حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی امت میں پیدا فرمایا۔ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے طفیل میں انشاء اللہ دنیا میں بھی سرخروئی حاصل ہو گی اور آخرت میں بھی، مگر ہم اس کے شکریہ میں بہت کوتاہی کرتے ہیں۔ اسکی نعمتوں کو یاد نہیں کرتے۔ جسقدر ممکن ہو اسکا احسان مانیے اور اسکی نعمتوں کا شکریہ ادا کیجئے۔ وَاِذْ تَاَذَّنَ رَبُّکُمْ لَئِنْ

شکرتم لا زیدنکم (الآیۃ) یہ اعلان کیا گیا کہ اگر ہماری نعمتوں کا شکریہ ادا کروگے تو میں تم پر اپنی نعمتیں زیادہ کرتا رہوں گا۔ بڑی غفلت کی بات ہے کہ ہم اسکو اور اس کے احسانات کو بھولے ہوتے ہیں۔ ہمارا اس کو ہمیشہ یاد کرنا اور احسان ماننا اور اس کا ذکر کرنا بہت اہم فریضہ ہے۔ اسی وجہ سے بعض بزرگوں نے یہ طریقہ مقرر کیا کہ روزانہ کسی وقت بہتر ہے کہ عشاء کے بعد انسان پہلے اللہ تعالیٰ کے دیئے ہوئے تمام انعامات کو یاد کرے کہ اے اللہ تو نے مجھے یہ دیا۔ یہ دیا۔ پھر اپنے تمام گناہوں کو یاد کرے اور اس پر اظہار شرمندگی کرے اور معافی مانگے۔ حضرت عبداللہ ابن عمرؓ فرماتے ہیں کہ ہم نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو ایک ایک مجلس میں سو سو مرتبہ استغفار کرتے سنا۔

تو میرے بھائیوں! اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کو یاد کرو اور ان کا شکریہ ادا کرو، اس کی اطاعت میں کوتاہی مت کرو، استغفار برابر کرتے رہو اور اس سے ڈرتے رہو۔ اللہ تعالیٰ نے خود فرمایا ہے۔

یَا اَیُّھَا النَّاسُ اذْکُرُوْا نِعْمَۃَ اللّٰہِ عَلَیْکُمْ (الآیۃ)

اللہ تعالیٰ نے تمام انسانوں کو حکم دیا کہ میری نعمتوں کو یاد کرو۔ ہم سب قرآن پڑھتے ہیں، مگر اس کا حق اداء نہیں کرتے۔ یہ ہماری انتہا درجہ کی نالائقی اور غفلت ہے۔ ہم سب کو چاہیئے کہ جو کچھ پڑھا اور لکھا ہے اس پر بھی عمل ہو اور ہم میں جتنے لوگ خواہ ان میں کوئی چھوٹا ہو یا بڑا، امیر ہو غریب، بادشاہ ہو یا فقیر، سب اس کا شکر ادا، کریں، کیونکہ ہمارے اندر جو کچھ بھی ہے وہ سب خدا کا ہے۔ اپنا کچھ نہیں، تو جب سب کچھ اسی کا ہے تو ہمیشہ ہمیشہ اس کا شکر ادا کرتے رہنا چاہیئے۔ اللہ تعالیٰ کے ذکر اور اسکی یاد سے غفلت مت کیجئے۔ آپ جتنا اس کو یاد کریں گے۔ اتنا ہی وہ اپنی نعمتیں زیادہ کرے گا۔ سب سے پہلی بات یہ ہوئی بہت ہی مختصر طریقہ پر۔ اگر تفصیل کے ساتھ بیان کی جائے تو کئی ہفتے چاہیئں۔

دوسری بات ہے۔ اللہ تعالیٰ کا ذکر تمام عبادتوں کی جان اور مغز ہے۔ یہ بہت ہی عظیم الشان عبادت ہے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کو خیر اعمال فرمایا ہے۔ اللہ تعالیٰ کے نزدیک سب عملوں میں صاف اور عمدہ عمل اللہ تعالیٰ کا ذکر ہے۔ سب سے بڑا مرتبہ اللہ تعالیٰ کے ذکر کا ہے۔ خداوند تعالیٰ کی راہ میں سونا اور چاندی خرچ کرنے اور جہاد کرنے سے بھی بڑا مرتبہ اللہ تعالیٰ کے ذکر کا ہے۔ یہ بہت قوی روایت ہے۔ ذکر اللہ سب سے بڑے مرتبہ کو پہنچانے والا ہے۔ نماز کے اندر بڑائی خدا کے ذکر کی وجہ سے آئی ہے۔ قرآن حکیم میں فرمایا گیا ہے۔ اُتْلُ مَآ اُوْحِیَ اِلَیْکَ مِنَ الْکِتٰبِ وَاَقِمِ الصَّلٰوۃَ اِنَّ الصَّلٰوۃَ تَنْھٰی عَنِ الْفَحْشَآءِ وَالْمُنْکَرِ وَلَذِکْرُ اللّٰہِ اَکْبَرُ۔ سب سے بڑا اللہ تعالیٰ کے ذکر کو فرمایا گیا ہے۔

تو بھائیو! اللہ تعالیٰ کا ذکر بہت بڑا مرتبہ رکھتا ہے۔ خواہ جسم سے ہو، روح سے ہو، قلب سے ہو، سانس سے ہو، خفی ہو، جلی ہو۔ کسی بھی صورت سے ہو۔ اللہ تعالیٰ کا ذکر بڑائی رکھتا ہے۔

ایک بدوی حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا اور عرض کیا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم آپ ہمیں سب سے مختصر عبادت بتلائیے، کیونکہ اسلام میں عبادات بہت ہیں تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جسقدر ممکن ہو اللہ تعالیٰ کا ذکر کرو۔ یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ کا ذکر کرتے کرتے دنیا سے رخصت ہو جاؤ۔ زبان کو اللہ تعالیٰ کے ذکر سے ہمیشہ تازہ رکھو تاکہ مرنے کے وقت زبان اللہ تعالیٰ کے ذکر میں مشغول رہے۔

تو میرے بھائیو! ذکر کسی بھی طریقہ سے ہو اللہ تعالیٰ کو پیارا ہے۔ فرماتے ہیں جو تنہائی میں مجھ کو یاد کرتا ہے میں بھی اسکو تنہائی میں یاد کرتا ہوں اور جو مجھ کو مجمع میں یاد کرتا ہے اور جب تک ہونٹ اس کی یاد میں ملتے رہتے ہیں، اللہ تعالیٰ اس کا ہمنشیں رہتا ہے۔ تو بھائی! اللہ تعالیٰ کا ذکر بہت بڑی عبادت ہے۔ جس طرح ہو سکے آواز سے ہو بغیر آواز کے ہو، دن کو ہو، رات کو ہو، سورج کے نکلنے کے وقت ہو، ڈوبنے وقت ہو۔ جس وقت بھی ہو اللہ تعالیٰ کو پسند ہے اور اس میں اتنی آسانی کر دی گئی ہے کہ اس کے لئے وضو بھی شرط نہیں۔ وضو ہو تب بھی ذکر کرتے رہو اور اگر غسل کی حاجت ہو تو بھی ذکر کر سکتے ہو، دن میں، رات میں جب بھی آپکو موقع ملے اور فرصت ہو، کھڑے ہوں، بیٹھے ہوں، سو رہے ہوں، جاگ رہے ہوں، کوئی سا بھی وقت ہو۔ اس کے ذکر سے غافل مت ہو۔ فرمایا گیا۔ اَلَّذِیْنَ یَذْکُرُوْنَ اللّٰہَ قِیَامًا وَّ قُعُوْدًا وَّ عَلٰی جُنُوْبِھِمْ (الآیہ) اور فرمایا گیا۔ یٰٓاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوا اذْکُرُوا اللّٰہَ ذِکْرًا کَثِیْرًا وَّ سَبِّحُوْہُ بُکْرَۃً وَّ اَصِیْلًا۔ ذکر کی کوئی حد نہیں۔ نماز کا وقت مقرر ہے۔ حج عمر میں ایک مرتبہ فرض ہے۔ زکوٰۃ کی بھی حد مقرر ہے، مگر ذکر کی کوئی حد نہیں۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے دریافت کیا گیا کہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک کس کا مرتبہ زیادہ ہے تو آپ نے فرمایا کہ اَلذّٰکِرُوْنَ اللّٰہَ کَثِیْرًا وَّ الذّٰکِرَاتِ۔ اللہ تعالیٰ کے نزدیک جو مرد اور عورت کثرت سے اللہ تعالیٰ کا ذکر کرتے رہتے ہیں، وہ اونچے مرتبہ والے ہونگے۔ اور فرمایا کہ کوئی چیز اتنا عذاب سے نجات دلانے والی نہیں جتنا کہ اللہ تعالیٰ کا ذکر۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے سوال کیا گیا کہ جہاد عذاب آخرت سے نجات دلانے میں بہتر ہے، یا اللہ تعالےٰ کا ذکر؟ تو آپ نے فرمایا کہ ذکر اللہ جس قدر عذاب سے نجات دلانے کے لئے کافی ہے اتنا جہاد بھی نہیں،

جو جہاد کرتے کرتے زخموں سے بھر جائے یا لڑتے لڑتے اس کی تلوار ٹوٹ جائے تو بھی اللہ تعالیٰ کا ذکر کرنے والا اس سے افضل ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کا ذکر کرنے والا مثل زندہ کے ہے اور نہ کرنے والا مثل مردہ کے ہے۔

تو میرے بھائیو! اگر ذکر سے غفلت ہو تو پھر موت ہے۔ اس سلسلہ میں ایک تاریخی واقعہ بھی ہے۔

اُندلس کو جب عیسائیوں نے فتح کیا اور اس پر ان کا قبضہ ہوا تو انہوں نے وہاں بہت سی قبریں دیکھیں جن پر کسی کی عمر کے بارے میں لکھا ہوا تھا۔ چھ مہینہ، کسی کی عمر کے بارے میں لکھا ہوا تھا، ایک سال اور کسی کے بارے میں تین مہینہ۔ تو یہ ان کی سمجھ میں نہ آیا کہ ہیں تو یہ اتنی بڑی بڑی قبریں اور لکھا ہے یہ۔ تو انہوں نے اس کے بارے میں وہاں کے لوگوں سے دریافت کیا تو یہ معلوم ہوا کہ تمام عمر انہوں نے لہو ولعب میں گزاری اور اخیر میں تین مہینے اللہ کے ذکر اور اسکی یاد میں گزارے تو ہمارے نزدیک زندہ وہ ہے جو اللہ تعالیٰ کے ذکر کے ساتھ ہو۔ بڑی قبر والا اللہ تعالیٰ کے ذکر سے غافل تھا۔ اخیر میں ایک سال ذکر کیا۔ اس واسطے بتلایا گیا کہ وہ ایک سال زندہ رہا۔

تو میرے بھائیو! مردہ کو کوئی گھر میں رکھنا گوارا نہیں کرتا اور زندہ خواہ کتنا ہی لاغر اور کمزور کیوں نہ ہوگیا ہو گھر سے نکالا نہیں جاتا۔ زندگی اسی کا نام ہے۔ جس قدر ممکن ہو اللہ تعالیٰ کا ذکر کرو۔ دنیا کی زندگی بہت تھوڑی ہے۔ پھر اللہ تعالیٰ کے سامنے حاضر ہونا اور اس کو منہ دکھانا ہے۔ آپ اس زندگی کو حقیقی زندگی عطا کیجئے۔ یہ بہت بڑی نعمت ہے اور انتہائی ضروری چیز ہے۔

مَیں اس وقت تفصیل سے ذکر نہیں کر سکتا۔ مختصر طریقہ پر توجہ دلاتا ہوں۔ پہلی چیز جو میں نے کہی خدا کا شکر ادا کیجئے کہ اس نے آپکو انسان اشرف المخلوقات بنایا۔ دوسری چیز اللہ تعالیٰ کا ذکر ہے۔ جس طرح سے ہو اسکا ذکر ہمیشہ کیجئے۔ یہ بہت ضروری چیز ہے۔ تیسری بات یہ عرض کرنی ہے کہ ہمارے بہت سے بھائی ہیں جو اللہ تعالیٰ کے ذکر میں مشغول ہیں۔ اور انہوں نے اللہ کے ذکر میں ترقی کی اور اب اس لائق ہوگئے ہیں کہ اسکو اجازت دے دی جائے تاکہ وہ اور بھائیوں کو بھی اللہ تعالیٰ کا نام بتلائیں۔ اسی کو اجازت کہا جاتا ہے۔ حضرت حاجی امداد اللہ صاحب مہاجر مکیؒ اور حضرت تھانویؒ جب ذکر میں مداومت اور تغیر پیدا ہو جاتا تھا تو وہ فوراً اس کو اجازت دیدیتے تھے، مگر مولانا گنگوہیؒ اتنے تک اجازت نہ دیتے تھے۔ یہاں تک کہ ذاتِ مقدسہ کا مشاہدہ کرنے اور یاد رکھنے کا ملکہ پیدا نہ ہو جائے کہ وہ بغیر ارادہ کے اللہ تعالیٰ کا حضور رکھنے لگے اور ان تعبد ربك كانك تراه (الحدیث) کا درجہ حاصل ہو جائے

جب تک ایسی صورت نہ ہو اجازت نہ دیتے تھے۔ بہر حال آپ بھائیوں میں سے چند اس کے اہل ہو گئے ہیں کہ اب انکو اجازت دیدی جائے۔ اگر کسی کو اجازت مل جائے تو وہ یہ نہ سمجھے کہ اُسے اعلیٰ درجہ پر پہنچا دیا گیا ہے اور اس کے یہ معنی نہیں کہ تم سلوک کے اونچے درجہ میں پہنچ گئے ہو اور اب تم کو ذکر وغیرہ کسی چیز کی ضرورت نہیں کہ تم کو ایک پختہ سڑک پر پہنچا دیا گیا ہے۔ یہ ایک شاہراہ ہے اس کے اوپر جب تک چلتے رہو گے اللہ کا تقرب حاصل ہوتا رہے گا۔ یہ نہ سمجھنا چاہیئے کہ اب ہم کو ذکر کی ضرورت نہیں اور نہ اس پر مغرور ہونا چاہیئے اور نہ ناامید ہونا چاہیئے۔ اس موقع پر حضرت نے فارسی کا یہ مشہور قطعہ بھی ارشاد فرمایا ؎

در سنگلاخ بادیہ پیہا بریدہ اند — ایمن مشو کہ توسن مردان مرد را

ناگہ بہ یک خروش بہ منزل رسیدہ اند — نومید ہم مباش کہ رندان بادہ خوار

اس کے بعد ارشاد ہوا۔ جن بھائیوں نے اس طرح کامیابی حاصل کی ہے۔ ان کو اجازت دی جاتی ہے ان کو ہمیشہ ذکر پر مداومت اور ذاتِ مقدسہ کا مراقبہ کرتے رہنا چاہیئے، غافل ہونا درست نہیں۔ ذکر کے بہت سے درجات ہیں اور ذاتِ مقدسہ کے مراقبہ میں بہت سے درجات ہیں اور ذکر کے دوسرے معنیٰ سلوک کے ہیں۔ اس کے دو درجے ہیں۔ وصول اور قبول۔ وصول کے معنیٰ ذات مقدسہ کا مشاہدہ حاصل ہونا اور قبول کے معنیٰ اللہ تعالیٰ کے یہاں مقبول ہو جانا۔ تو وصول صرف متقین اور مسلمانوں کے ساتھ مخصوص نہیں۔ کبھی غیر مسلم بھی اسکو حاصل کر لیتے ہیں۔ جیسے کوئی چور کمند لگا کر بادشاہ کے محل میں پہنچ جائے یا کوئی مجرم بادشاہ کے حضور میں لایا جائے۔ ایک مرتبہ ایک جوگی جو کہ پہاڑوں میں رہتا تھا۔ حضرت گنگوہیؒ کی خدمت میں حاضر ہوا اور عرض کیا کہ مجھے پندرہ پندرہ کوس کی چیزیں نظر آتی ہیں، مگر مجھے یہ معلوم ہوا ہے کہ بغیر مسلمان ہوئے کچھ حاصل نہیں ہو سکتا، تو میں آپکے پاس مسلمان ہونے کے لئے آیا ہوں۔ حضرت نے اسکو مسلمان کر لیا تو یہ چیز مسلمان کے ساتھ مخصوص نہیں ؎

فراق و وصل چہ خواہی رضاء دوست طلب
کہ حیف باشد از و غیر ازیں تمنّائے

دوسرا درجہ صرف متقین اور مسلمانوں کے ساتھ مخصوص ہے۔ اس لئے وصول کے ساتھ ساتھ قبول کے درجہ کو بھی حاصل کرنا چاہیئے۔ متقدمین صوفیاء کے یہاں اخلاقی درستگی کو مقدم رکھتے تھے۔ اس لئے بہت دیر لگتی تھی۔ اور بسا اوقات اسی میں عمریں ختم ہو جاتی تھیں۔ وہ حضرات بالکل اخیر میں ذات مقدسہ کا مشاہدہ کراتے

تھے اور جب تک ذکر میں اور دوسری چیزوں میں پختگی نہ آجاتے اجازت نہ دیتے تھے اور اب متاخرین صوفیاء نے یہ طریقہ اختیار کیا ہے کہ ذکر کے ساتھ ساتھ وصول کرا دیا جاتا ہے اور یہ کہدیا جاتا ہے کہ بد اخلاقیاں دور کرو اور مغرور نہ بنو وغیرہ وغیرہ۔

وصول کے بعد اس کے حاصل کرنے میں آسانی ہوتی ہے۔ تو میرے بھائیو! رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جن برائیوں کے دُور کرنے کی تلقین فرمائی ہے انکو دُور کرو اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے نقشِ قدم پر چل کر اس کی سی صورت اختیار کرو۔ معاملات میں، عبادات میں اور ہر چیز میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت کرو۔ مَیں نے بہت مختصر طریقہ پر عرض کیا ہے۔ آپ حضرات ہمیشہ سنت اور اہلِ سنّت والجماعت کی اطاعت کریں اور اللہ پاک کی پکڑ سے ہر آن ڈرتے رہیں چلتے پھرتے، کھاتے پیتے، سوتے جاگتے ہر وقت اس کا ذکر کرتے رہو اگر ذکر کی عادت ڈالو گے تو سوتے وقت بھی ذکر جاری رہے گا اور مرنے کے وقت آخری سانس تک جاری رہے گا۔ اور مرنے کے بعد جب اٹھو گے اور قیامت ہوگی تو آقائے نامدار صلی اللہ علیہ وسلم شفاعت فرمائیں گے۔

چوتھی بات یہ ہے کہ جو حضرات اجازت کے قابل ہو گئے ہیں انکی فہرست تیار کرلی گئی ہے وہ آپ کو سناتا ہوں (حضرت کے ۱۶۷ خلفاء کی فہرست الجمعیۃ کے شیخ الاسلام نمبر میں شائع ہوتی ہے)

دعاء کرو کہ ہم سب کا خاتمہ ایمان پر ہو اور آقائے نامدار صلی اللہ علیہ وسلم کی شفاعت نصیب ہو۔

واٰخر دعوانا ان الحمد للہ رب العٰلمین ◆◆

(بقیہ: الشفاء)

یعنی کفارِ مکہ کی تکالیف پر دل برداشتہ ہوکر اللہ کے حکم (شاید عذاب کے حکم) کے لئے بے تاب نہ ہو جائیے۔ آپ ہماری آنکھوں کے سامنے ہیں اور ہم آپ کی حفاظت کر رہے ہیں۔

مختصر یہ کہ اللہ تعالیٰ نے بہت سی آیات میں جناب صلی اللہ علیہ وسلم کی کفار کی پیہم تکذیب اور مخالفت کے مقابلہ میں دلجوئی فرمائی ہے۔

سید حامد میاں مہتمم جامعہ مدنیہ طابع وناشر نے مکتبہ جدید پریس لاہور سے چھپوا کر دفتر ماہنامہ انوارِ مدینہ، جامعہ مدنیہ کریم پارک لاہور سے شائع کیا۔

صحابہ رضی اللہ عنہم

مولوی قاری عطاء الرحمن رحمانی
مدرسہ تجوید القرآن رحمانیہ۔ خانوخیل
ضلع ڈیرہ اسماعیل خان۔

صحابہ کرام، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھی، شیدائی، اور عینی گواہ ہیں، امت میں ان کے رتبے کو کوئی نہیں پہنچ سکتا، صحابہ کرام ہر وقت، اپنا مال وجان خدمتِ اسلام کے لئے تیار رکھتے تھے، وہ رات کو اللہ تعالیٰ کی عبادت میں گزار دیتے تھے اور دن کو تلواریں لے کر دشمنانِ اسلام کا قلع قمع کرتے تھے، وہ مصائب کا مردانہ وار مقابلہ کرتے۔ پیٹ پر پتھر باندھ کر بھی جہاد میں شریک ہوتے۔ اسلام کو جس طرح کی قربانی کی بھی ضرورت ہوتی وہ پیش کر دیتے تھے۔ ان کے دل رسول خدا کی محبت سے لبریز تھے۔ انہیں ہر چیز سے آپ زیادہ محبوب تھے۔ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان ہے کہ ایمان کامل اس وقت تک نہیں جب تک کہ میں تمام چیزوں سے زیادہ محبوب نہ ہو جاؤں۔

حق تعالےٰ قرآن کریم میں بہت سے مقامات پر اصحاب رسول کی تعریف فرمائی ہے چند آیات ملاحظہ ہوں! ارشاد ہے:

أُولٰئِكَ كَتَبَ فِي قُلُوبِهِمُ الْإِيمَانَ ــــــ وَأَيَّدَهُمْ بِرُوحٍ مِنْهُ (پ ۲۸ ع ۳)

ترجمہ: ان کے دلوں میں اللہ نے لکھ دیا ہے ایمان اور انکی مدد کی ہے اپنے غیب کے فیض سے۔

مولانا عثمانیؒ لکھتے ہیں کہ ایمان ان کے دلوں میں جما دیا اور پتھر کی لکیر کی طرح ثبت کر دیا۔

ارشاد ہے:

وَلٰكِنَّ اللّٰهَ حَبَّبَ إِلَيْكُمُ الْإِيمَانَ وَزَيَّنَهُ فِي قُلُوبِكُمْ وَكَرَّهَ إِلَيْكُمُ الْكُفْرَ وَالْفُسُوقَ وَالْعِصْيَانَ۔ أُولٰئِكَ هُمُ الرَّاشِدُونَ ــــ۔

ترجمہ اللہ نے محبت ڈال دی تمہارے دل میں ایمان کی اور کھبا دیا اس کو تمہارے دلوں

میں اور نفرت ڈال دی تمہارے دل میں کفر اور گناہ اور نافرمانی کی ۔ وہ لوگ وہی ہیں نیک راہ پر۔

باری تعالٰے نے یہاں بھی کیسے واضح اور کھلے الفاظ میں صحابہ کرامؓ کے متعلق حبب الیکم الایمان کے الفاظ فرمائے اور ساتھ یہ بھی فرمادیا کہ ہم نے صحابہ کرامؓ کے دل میں کفر و فسق اور نا فرمانی کی نفرت ڈالدی۔ ارشاد ہے :

یُبَشِّرُهُمْ رَبُّهُمْ بِرَحْمَةٍ مِّنْهُ وَرِضْوَانٍ وَّجَنّٰتٍ لَّهُمْ فِيْهَا نَعِيْمٌ مُّقِيْمٌ

خٰلِدِيْنَ فِيْهَا اَبَدًا ۔ اِنَّ اللهَ عِنْدَهٗ اَجْرٌ عَظِيْمٌ (پ۱۰ ع ۹)

ترجمہ : خوشخبری دیتا ہے انکو پروردگار ان کا اپنی طرف سے مہربانی کی اور رضامندی کی اور باغوں کی کہ جن میں ان کو آرام ہے ہمیشہ کا ۔ رہا کریں ان میں دوام ۔ بیشک اللہ کے پاس بڑا ثواب ہے ۔

اس آیت میں اللہ تعالٰی نے صحابہ کرامؓ کو تین چیزوں کی بشارت دی ۔ رحمت ، رضوان ، خلود فی الجنۃ ۔ فرمایا کہ ہم ان کو جنت میں داخل کریں گے اور وہ دخول کوئی معدود نہیں ہوگا ۔ بلکہ فرمایا کہ خلدین فیھا ابدًا ہمیشہ ہی اس میں رہیں گے ۔ ارشاد ہے :

وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَهَاجَرُوْا وَجٰهَدُوْا فِيْ سَبِيْلِ اللهِ وَالَّذِيْنَ اٰوَوْا وَّنَصَرُوْا اُولٰٓئِكَ

هُمُ الْمُؤْمِنُوْنَ حَقًّا لَهُمْ مَّغْفِرَةٌ وَّرِزْقٌ كَرِيْمٌ ۔

ترجمہ : اور جو لوگ ایمان لائے اور اپنے گھر چھوڑے اور لڑے اللہ کی راہ میں اور جن لوگوں نے انکو جگہ دی اور ان کی مدد کی وہی ہیں سچے مسلمان ! ان کے لئے بخشش ہے اور روزی عزت کی۔

اس آیت میں اللہ تعالٰی نے پہلے تو مہاجرین و انصار کے ایمان اور سچے مسلمان ہونے کی شہادت دی اور بعد میں فرمایا کہ ان کے لئے بخشش ہے ۔ ارشاد ہے ۔

وَالسّٰبِقُوْنَ الْاَوَّلُوْنَ مِنَ الْمُهٰجِرِيْنَ وَالْاَنْصَارِ وَالَّذِيْنَ اتَّبَعُوْهُمْ بِاِحْسَانٍ رَّضِيَ اللهُ

عَنْهُمْ وَرَضُوْا عَنْهُ وَاَعَدَّ لَهُمْ جَنّٰتٍ تَجْرِيْ تَحْتَهَا الْاَنْهٰرُ خٰلِدِيْنَ فِيْهَا اَبَدًا

ذٰلِكَ الْفَوْزُ الْعَظِيْمُ ۔

(ترجمہ ۔ اور جو لوگ قدیم ہیں سب سے پہلے ہجرت کرنے والے اور مدد کرنے والے اور جو انکے پیرو ہوتے نیکی کے ساتھ ۔ اللہ راضی ہوا ان سے اور وہ راضی ہوتے اس سے اور تیار کر رکھے ہیں ان کے لئے باغ کہ بہتی ہیں نیچے ان کے نہریں ۔ رہا کریں انہی میں ہمیشہ یہی ہے بڑی کامیابی۔

اس آیت میں اللہ تبارک وتعالیٰ نے مہاجرین وانصار اور انکے متبعین کے لئے رضوان اور خلود فی الجنۃ کی بشارت بیان فرمائی۔ اور یہ کہ وہ اللہ سے راضی ہیں اور اللہ ان سے راضی ہے۔ ؏

این سعادت بزورِ بازو نیست

جو لوگ صحابہ کرام کے خلاف ہرزہ سرائی کرتے رہتے ہیں اور مختلف طرح کے عیوب ان کی طرف منسوب کرتے ہیں انہیں اللہ کا خوف کرنا چاہیئے اور اس حرکت مذمومہ سے باز آنا چاہیئے۔ صحابہ کرام ہمارے مقتداء تھے۔ وہ سب سے زیادہ نیک اور سنّت پر عمل کرنے والے تھے۔ ان سے اگر کبھی کوئی لغزش ہوئی بھی تو اللہ نے معاف فرمایا۔ ایک واقعہ ملاحظہ ہو:۔

جنگ احد میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عبداللہ بن جبیر رضؓ کی امارت میں پچاس تیر اندازوں کا دستہ لشکر کی پشت پر معین فرمایا تاکہ دشمن پشت کی طرف سے حملہ نہ کر سکے اور انکو حکم دیا کہ فتح ہو یا شکست تم اسی جگہ ڈٹے رہنا۔ ادھر جنگ شروع ہوگئی۔ حضور کریمؐ اور صحابہ کرامؓ نے مشرکین پر ایسا زبردست حملہ کیا کہ مشرکین کے پاؤں اکھڑ گئے اور انہوں نے میدانِ کارزار چھوڑ کر بھاگنا شروع کر دیا۔ جب تیر انداز دستہ نے دیکھا کہ مشرکین کو شکست ہوگئی ہے۔ میدان خالی ہے اور مسلمان مال غنیمت جمع کرنے میں مصروف ہیں تو انہوں نے کہا کہ اب یہاں ٹھہرنے کی ضرورت نہیں، کیونکہ کفار کو شکست ہو گئی ہے، چنانچہ وہ اپنے امیر کے روکنے کے باوجود وہاں سے چلے گئے۔ صرف چند تیر انداز حضرت عبداللہ بن جبیر کے ساتھ باقی رہ گئے۔ اِدھر خالد بن ولیدؓ نے دیکھا کہ مسلمانوں کی پشت خالی ہے تو فوراً پیچھے سے آکر حملہ کر دیا۔ تو فتح شکست میں تبدیل ہوگئی جس میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے سر مبارک پر زخم آیا اور سامنے کا ایک دانت بھی شہید ہو گیا۔ بہرحال مسلمانوں کی اس ہنگامی شکست کی اصل وجہ تیر انداز دستہ سے غلط فہمی کی بنا پر حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشاد نیز اپنے امیر کے حکم کی نافرمانی ہوئی۔ صحابہ کرام کی اس لغزش کو اللہ تعالیٰ نے معاف فرما دیا۔ ارشادِ ہے:

وَلَقَدْ عَفَا عَنْكُمْ وَاللّٰهُ ذُو فَضْلٍ عَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ۔

ترجمہ: اور وہ تم کو معاف کر چکا ہے اور اللہ کا فضل ہے ایمان والوں پر اور وَلَقَدْ عَفَا اللّٰهُ عَنْهُمْ اِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ حَلِيْمٌ۔ ترجمہ۔ اور انکو بخش چکا اللہ، اللہ بخشنے والا ہے، تحمل کرنے والا۔

اب دیکھئے اس کے بعد رب العزت نے اپنے حبیب سرورِ کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کو بھی فرمایا کہ اے میرے حبیب! آپ بھی ان کی اس غلطی کو معاف فرما دیں اور صرف معاف ہی نہیں بلکہ آپ ہر معاملہ میں ان سے مشورہ

بھی لیا کریں۔ ارشاد ہے:

فَاعْفُ عَنْهُمْ وَاسْتَغْفِرْ لَهُمْ وَشَاوِرْهُمْ فِي الْأَمْرِ۔

ترجمہ: سو تو ان کو معاف کر اور ان کے واسطے بخشش مانگ اور ان سے مشورہ لے کام میں۔

حدیث کے راوی کون ہیں؟ وحی کے عینی گواہ ہیں؟ کتابی صورت میں قرآن مجید کو محفوظ کرنے والے کون ہیں؟ سب سے پہلے اپنے سینوں میں اس پاک کلام کی حفاظت کس نے کی؟ یہ شرف اللہ تعالیٰ نے صحابہ کرامؓ کو ہی نصیب فرمایا۔ حضور کریمؐ کا ارشاد مبارک ہے۔

اصحابی کالنجوم بایھم اقتدیتم اھتدیتم۔

ترجمہ: میرے صحابہ ستاروں کی مانند ہیں جس کی اقتدا کرو گے ہدایت پاؤ گے۔

خلاصہ یہ کہ صحابہ کرام اللہ اور اللہ کے رسول کے محبوب ہیں۔ ان کے حق میں گستاخانہ کلمات سے گریز کرنا لازم ہے۔ ان پر الزام تراشی کسی مسلمان کو زیب نہیں دیتی۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے۔ اللہ اللہ فی اصحابی لا تتخذوھم من بعدی غرضاً فمن احبھم فبحبی احبھم ومن ابغضھم فببغضی ابغضھم۔

اے لوگو! اللہ سے ڈرنا اللہ سے ڈرنا میرے صحابہ کے حق میں میرے بعد انکو نشانہ نہ بنانا (اپنی قلم و زبان کا)۔ جو بندہ میرے صحابہؓ سے پیار و محبت رکھیگا میرے سبب سے محبت رکھے گا اور جو شخص میرے بغض و کینہ رکھے گا وہ میرے سبب سے بغض رکھے گا۔

اللہ تعالیٰ ہمارے دلوں سے بغض و حسد و تکبر اور عناد و کینہ کو نکال دے اور ہمارے دلوں کو اپنی محبت، اپنے رسول کی محبت اور صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کی محبت سے معمور فرما دے آمین۔

--

بقیہ: اعلیٰ اخلاق کا معلّم "اسلام"

فی الحقیقت وہ پورے تمدن کے لئے سنگ بنیاد ہے۔

اسلام کی دور رس نگاہ نے اس کی افادیت کو پوری طرح محسوس کیا اور اس وجہ سے اس نے رحم اور قرابت کو وہ حیثیت اور اہمیت بخشی کہ مطالبہ توحید کے بعد سب سے پہلا مطالبہ یہ ہے۔ بالوالدین احساناً۔ اور اعلان یہ ہے، جو رشتہ داروں سے جوڑتا ہے وہ خدا سے جوڑتا ہے جو ان سے توڑتا ہے وہ خدا سے توڑتا ہے۔

اسلامی نظامِ عدالت

قسط: ۴

حضرت مولانا محمّد مرزا گل صاحب مدظلہٗ
مدرس جامعہ مدنیہ لاہور

جرح و تعدیل دیوانی مقدمات میں قاضی کو شاہد کی ظاہری عدالت پر اکتفاء کرنا چاہیئے، البتہ اگر خصم کی طرف سے شاہد پر جرح کی جائے تو اس صورت میں حاکمِ عدالت اس جرح کے متعلق تحقیق کرے گا۔ اور فوجداری خصومات اور حدود و قصاص کے مقدمات میں قاضی شاہد کی ظاہری عدالت پر اکتفا نہیں کرے گا بلکہ عدالت شاہد کے تزکیۂ ظاہر و باطن کی تحقیق کرے گا اور تزکیۂ شہداء کے بعد فیصلہ کرے گا، کیونکہ ذرا سے شبہ سے حدود و قصاص ساقط ہوجاتے ہیں (وھو المطلوب فی الحدود والقصاص) یہ امام اعظمؒ کا مسلک ہے صاحبین کا مسلک یہ ہے کہ چاہے دیوانی خصومات ہوں یا فوجداری مقدمات دونوں صورتوں میں قاضی کو چاہیئے کہ شاہد کی ظاہری عدالت پر اکتفاء نہ کرے بلکہ عدالت شاہد کی پوری پوری تحقیق کرے، کیونکہ قضاء قاضی مبنی ہے شہادتِ شاہد پر اور شہادتِ شاہد موقوف ہے عدالتِ شاہد پر اور عدالتِ شاہد حجت معتبر ہے۔

اگر قاضی فیصلہ کر چکا اور پھر یہ بات ظاہر ہوئی کہ شاہد عادل نہیں ہے، بلکہ غلام ہے یا صحیح مسلمان نہیں ہے تو قاضی کا فیصلہ کالعدم قرار دیا جائیگا۔ لہٰذا قاضی کو چاہیئے کہ تنفیذِ حکم سے پہلے عدالتِ شاہد کی تحقیق کرے تاکہ اس کا فیصلہ بھی محفوظ اور برقرار رہے۔ اس مسئلہ پر صاحبین کا مذہب مفتی بہ ہے۔ اور خاص کر دورِ حاضر میں تو صاحبین کا مسلک قابلِ اعتبار ہونا چاہیئے، کیونکہ دورِ حاضر میں تو عدالتوں میں روپوں پیسوں سے بکثرت بظاہر ثقہ و عادل شہداء مل جاتے ہیں۔ گواہ پر جرح مجرد قابلِ اعتبار نہیں ہے۔ مثلاً مدعی نے اپنے دعویٰ کے مطابق گواہ پیش کیا اور مدعا علیہ کی طرف سے گواہ پر جرح ہوئی کہ یہ گواہ فاسق ہے، یا شرابی ہے، یا

زانی ہے۔ یا مدعی نے یہ شاہد روپوں سے خریدا ہے۔ یا گواہ بھی مدعی کے ساتھ شریکِ دعویٰ ہے۔ تو محض یہ جرح کافی نہیں ہے بلکہ جارح پہلے یہ جرح گواہوں کے ذریعے سے ثابت کرے اور ثبوت جرح کے بعد جرم کیمطابق گواہ پر سزا بھی قائم کی جائے، تب جاکر شاہد کی شہادۃ رد ہو گی، کیونکہ ایک عاقل، بالغ، عادل مسلمان کے قول کی تردید کرنا معمولی اور آسان بات نہیں ہے۔ اور جرح وہی معتبر ہے جو شاہد کی عدالت کو مجروح کر سکے، بقانونِ شرع۔ آجکل کے وکلاء کی جرحیں قابلِ اعتبار نہیں ہیں۔ یہ اکثر مالا یعنی اور فضول سوالات کرتے ہیں اور ایک معمولی سی خصومت کو باطل حیلوں میں الجھا کر طویل بنا دیتے ہیں اور آخیر میں جاکر عدالت کا جج بھی ان باطل حیلوں اور فاسد شبہات کو حجت معتبرہ سمجھ کر سخت سے سخت مجرم کو جرم سے بری کر دیتے ہیں۔ اور یہی وجہ ہے کہ آجکل معاشرہ اور تمدنی زندگی نہایت ناکارہ اور خراب ہے۔ غنڈے اور بدمعاش لوگ ارتکاب جرائم پر بہت جری ہیں، بلکہ موجودہ معاشرہ میں بعض مجرم پیشہ افراد کو حکام اور وکلاء کی سرپرستی بھی حاصل ہوتی ہے۔ اس لئے وہ ارتکاب جرائم سے خائف نہیں ہوتے۔

آج باطل دلائل کی وجہ سے دنیا میں شر و فساد زوروں پر ہے اور معاشرہ نہایت خستہ اور ناکارہ ہے۔ یہ بات صحیح ہے کہ "الحدود تندرأ بالشبہات" نفس شبہ سے حدود قصاص ساقطہ ہو جاتے ہیں، لیکن وہ شبہ بھی عند الشریعۃ معتبر شبہ ہو، چونکہ قیام حدود و قصاص کا مقصد دنیا کو شر و فساد سے پاک کرنا ہے اور نوع انسان کو ارتکاب جرائم سے منع کرنا ہے، اس لئے جب بھی قاضی کی عدالت میں مجرم کا جرم ثابت ہو جائے اور جرم بھی حقوق اللہ سے تعلق رکھتا ہو تو ثبوت جرم کے بعد مجرم کو کبھی معاف نہیں کیا جائے گا۔ جو بھی سزائے شرعی مقرر ہے وہ مجرم پر قائم کی جائے گی۔ البتہ اگر جرم حقوق العباد سے تعلق رکھتا ہے تو ثبوت جرم کے بعد بندہ کو اختیار ہے چاہے اپنا حق چھوڑ دے اور چاہے وصول کرے۔

جرح کے متعلق ایک اہم مسئلہ اگر مدعی نے اپنے دعویٰ پر گواہ پیش کئے اور مدعا علیہ نے گواہوں پر دعویٰ دائر کر دیا کہ میں نے ان گواہوں کو روپیہ دیا تھا کہ ہمارے خلاف یہ ناحق شہادت مت دو۔ اور اس دعویٰ کو بذریعہ شہادت ثابت کرتا ہے تو مدعی کے گواہوں کی شہادت مردود قرار دی جائے گی اور شرعاً یہ جرح معتبر ہے۔

الموافقۃ بین الدعویٰ والشہادۃ دعویٰ اور شہادت کے درمیان موافقۃ ضروری ہے۔ اگر دعویٰ اور شہادۃ میں موافقۃ نہ ہو تو شہادۃ مثبتِ دعویٰ نہ ہو گی۔ مثلاً مدعی نے ایک شخص پر روپوں کا دعویٰ کیا ہے، لیکن گواہ

دینار کی شہادۃ دیتا ہے تو یہ دعویٰ ثابت نہ ہوگا۔ یا مثلاً ایک مدعی نے کسی شخص پر یہ دعویٰ کیا ہے کہ اس نے ہماری سیاہ رنگ کی گائے چوری کی ہے، لیکن شاہد سفید رنگ کی شہادۃ دیتا ہے تو دعویٰ ثابت نہ ہوگا۔ یا مثلاً ایک مدعی نے کسی شخص پر یہ دعویٰ کیا کہ اس نے فلاں شخص کو تلوار سے قتل کیا ہے، لیکن شاہد یہ شہادت دیتا ہے کہ اس نے گلا گھونٹ کر قتل کیا ہے تو دعویٰ ثابت نہیں ہے۔

واضح ہو کہ دعویٰ اور شہادت کے الفاظ ایک ہونے ضروری نہیں بلکہ اتحادِ معنوی ضروری ہے۔ یعنی الفاظ اگرچہ مختلف ہوں، مگر معنی ایک ہونا چاہیئے۔ جس طرح دعویٰ اور شہادت کے درمیان اتحاد ضروری ہے اسی طرح شاہدوں کی شہادت میں بھی اتحاد ضروری ہے۔ اگر شاہدوں کی شہادت میں اختلاف ہو تو شہادت قابلِ اعتبار نہیں ہے۔

البتہ اختلاف کی صورت یوں پیش آئے کہ مثلاً ایک قتل کے متعلق دو گواہوں نے شہادت دی، لیکن ایک گواہ نے کہا کہ قاتل ایک ہے دوسرے گواہ نے کہا کہ قاتل دو ہیں تو امام اعظمؒ کے مذہب میں یہ شہادۃ مردود ہے، لیکن صاحبین کا مذہب یہ ہے کہ جس قاتل کے قتل پر دونوں گواہ متفق ہیں وہ تو قاتل ہے اور جس قاتل کے قتل پر ایک شہادۃ موجود ہے وہ قاتل نہیں ہوگا۔ بہرحال مسئلہ اختلاف دعویٰ والشہادۃ میں جرح کو کافی دخل ہے۔ اگر قاضی کی عدالت میں ایک دعویٰ کے متعلق دو گواہ شہادۃ پیش کرتے ہیں اور قاضی اس شہادہ کے متعلق اپنا فیصلہ صادر کر دیتا ہے اس کے بعد دو اور گواہ شہادۃ سابقہ کے متضاد شہادۃ پیش کرتے ہیں تو یہ شہادۃ ثانیہ مردود ہوگی اور اس سے قاضی کے فیصلہ پر کوئی اثر نہیں پڑے گا۔

رجوع عن الشہادۃ | اگر قاضی کی عدالت میں گواہوں نے شہادہ دی، لیکن قاضی کے فیصلہ سے پہلے گواہوں نے اپنی شہادۃ سے رجوع کر لیا تو اس صورت میں یہ شہادۃ کالعدم قرار دی جائے گی اور گواہ قابلِ تعزیر و سزا ہوں گے۔ البتہ اس صورت میں گواہوں پر کوئی ضمان و تاوان نہیں ہوگا، کیونکہ انہوں نے مدعی یا مدعا علیہ کو کوئی مالی و جانی نقصان نہیں پہنچایا۔ اگر گواہ نے سچی شہادۃ سے رجوع کیا ہے تو یہ کتمانِ شہادۃ ہے اور کتمانِ شہادۃ کی وجہ سے گواہ پر ضمان لازم نہیں ہوتا البتہ گنہگار ضرور ہو جاتا ہے۔ ومن یکتمھا فانہ اٰثمٌ قلبہٗ۔ اگر قاضی کی عدالت میں گواہوں نے شہادۃ دی اور قاضی نے اس شہادۃ پر فیصلہ صادر کر دیا۔ فیصلہ کے بعد گواہ اپنی شہادۃ سے رجوع کرتے ہیں تو اس صورت میں قاضی کا فیصلہ برقرار رہے گا اور گواہوں کے ذمہ ضمان بھی لازم ہو گا اور مستحق تعزیر بھی ہونگے۔ پھر اگر گواہوں نے حدود و قصاص اور جروح کے متعلق شہادۃ دی ہے اور قیامِ

حدود قصاص کے بعد اپنی شہادۃ سے رجوع کرتے ہیں تو اس صورت میں گواہوں کو دیت وضمان دینا پڑیگا لیکن گواہوں پر حدود قصاص قائم نہیں کیا جائیگا۔ لان الحدود تندرأ بالشبہات۔ اگر گواہوں نے دیوانی اور مالی خصومات میں شہادۃ دی ہے اور قاضی کے فیصلہ اور مدعی کے حصول مال کے بعد گواہوں نے اپنی شہادۃ سے رجوع کیا تو اس صورت میں مدعا علیہ پر جتنا مالی تاوان پڑا ہے یہ تاوان گواہوں کو دینا پڑیگا۔ اگر گواہ دو ہیں اور دونوں نے رجوع کیا ہے تو دونوں کو پورا تاوان دینا ہوگا۔ اگر ایک گواہ نے رجوع کیا ہے تو نصف تاوان دینا ہوگا۔ اگر تین گواہوں نے یا چار گواہوں نے شہادۃ دی ہے اور تین میں سے ایک گواہ رجوع کرتا ہے یا چار میں سے دو گواہ رجوع کرتے ہیں تو ان صورتوں میں جن گواہوں نے رجوع کیا ہے ان پر کوئی تاوان نہیں۔ کیونکہ رجوع کے بعد بھی نصاب شہادۃ باقی ہے اور مدعا علیہ کے ذمہ مدعی کا مال واجب الادا ہے۔ اگر گواہوں نے بیع بالقیمۃ پر یا نکاح بمقدار مہر المثل پر شہادۃ دی اور قاضی نے بیعہ یا نکاح کا فیصلہ صادر فرمایا اور قاضی کے فیصلہ کے بعد گواہوں نے اپنی شہادۃ سے رجوع کیا تو اس صورت میں نکاح اور بیعہ ثابت ہے اور قاضی کا فیصلہ برقرار ہے۔ گواہوں پر بھی کوئی تاوان نہیں ہوگا، کیونکہ ان صورتوں میں جانبین میں سے کسی کا کوئی نقصان نہیں ہوا۔ مشتری کو قیمت کے عوض مبیع اور بائع کو مبیع کے عوض قیمت مل گئی ہے۔ شوہر مہر کے عوض بضع کا اور بیوی بضع کے بدلے مہر کی مالک ہوگئی ہے، البتہ جب گواہوں کا کذب بالیقین ثابت ہو جائے تو گواہ قابلِ تعزیر و مستحق تشہیر ہیں۔ گواہوں کی تعزیر کا معاملہ حاکم عدالت کے اختیار میں ہے جیسا وہ مناسب سمجھے تعزیر دے سکتا ہے۔ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے جھوٹے گواہ پر تعزیراً چالیس کوڑے تک لگائے ہیں۔ منہ بھی کالا کرتے تھے اور بازار کے اندر تشہیر بھی کراتے تھے، لیکن قاضی شریح صرف تشہیر پر اکتفا کرتے تھے اور امام اعظم کا مسلک بھی یہی ہے، وہ صرف تشہیر کو مناسب سمجھتے ہیں، صاحبین فاروق اعظمؓ کے مسلک کو پسند کرتے ہیں۔

کذب گواہ کا ثبوت یہ ہے کہ وہ خود قاضی کی عدالت میں اقرار کرلے۔ یا جس واقعہ کے متعلق گواہ نے شہادۃ دی تھی وہ واقعہ اسکے خلاف نکل آئے۔ مثلاً گواہ نے قتل پر شہادۃ دی تھی، لیکن مقتول زندہ نکل آیا۔

سکھر سے کسی صاحب نے مدرسہ کے لئے سو روپے بذریعہ تار ارسال فرمائے ہیں، مگر اپنا نام نہیں لکھا، رسید کاٹ لی گئی ہے، لیکن نام معلوم نہ ہونے کی وجہ سے بھیجی نہیں جاسکتی۔ ان سے گذارش ہے کہ اپنے نام سے جلد مطلع فرمائیں تاکہ رسید بھیجی جاسکے۔ ——— ناظم جامعہ مدنیہ۔ لاہور

حفاظ و محافظینِ قرآن رحمہم اللہ تعالیٰ

(قسط : ۲)

شیخ القراء حضرت مولانا قاری رحیم بخش پانی پتی مدظلہٗ مدرس مدرسہ عربی خیر المدارس ملتان

مرسلہ : مولانا قاری محب اللہ بری ۔

"قراآت کے ناقلین کے حالات اور ان کی اسناد"

چونکہ قراءت کی وجوہ عرب کے اقسام اور ان کے لغات کے موافق نازل ہوئی ہیں اس لئے ہر وجہ کی نسبت اس کی طرف کی گئی ہے جس نے اس کو نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے نقل کیا ہے تاکہ ان تمام وجوہ کو ناقلین سے معلوم کر کے پوری طرح یاد اور محفوظ کر سکیں ۔ نیز ہم ایک متواتر طریق (کثیر مجمع) کے محتاج ہیں جس سے اس وجہ کے قرآن ہونے کا یقین اور علم حاصل ہو جاتے جو ہم تک پہنچی ہے اس لئے ناقلین نے ہر وجہ کی نسبت اس شخص کی طرف کی ہے جو اپنے زمانہ میں اس کو پڑھاتا تھا ۔ پس صحابہ کے زمانہ میں حضرت عثمانؓ، حضرت علیؓ، حضرت زید بن ثابتؓ، حضرت عبداللہ بن مسعودؓ، حضرت ابی بن کعبؓ وغیرہ رضی اللہ عنہم کی اور تابعین کے زمانہ میں امام ابو جعفرؒ، امام شیبہ بن نصاحؒ، امام ابو عبداللہ مسلم بن جندب ہذلی قاضی، امام ابو روح، یزید ابن رومان، امام عبدالرحمٰن سلمیؒ، امام ابو مریم زر بن حبیش وغیرہ رحمہم اللہ کی قراءۃ کہلاتی تھی، پھر تابعین کے بعد علماء کئی حصوں میں تقسیم ہوتے ۔ ۱ وہ جنہوں نے اپنے آپ کو قرآن پڑھانے اور اس کا طریقہ سکھانے کے لئے مخصوص اور فارغ کر دیا ۔ ۲ وہ جو قرآن کے معانی اور مطالب حل کرنے اور قرآن و حدیث سے مسائل نکالنے کی طرف متوجہ ہو گئے ۔

۳ ۔ وہ جو ان کے علاوہ دوسرے علوم میں مشغول ہو گئے ۔

۴ ۔ وہ جو مخلوق سے الگ تھلگ ہو کر خالص حق تعالیٰ کی طرف متوجہ ہو گئے ۔ پس جس نے جس علم کے لئے اپنے آپ کو فارغ کیا وہ اسی میں مشہور ہو گیا اور اس علم کی نسبت اس کی طرف ہونے لگی حالانکہ اسی زمانہ میں دوسرے حضرات بھی اس علم میں ماہر تھے جیسا کہ اجتہادی مسائل کی نسبت چاروں اماموں

کی طرف اس لئے کیجاتی ہے کہ اس بارہ میں ان کا مرتبہ نہایت بلند تھا ورنہ قرآن وحدیث سے مسائل کا استنباط کرنے والے اور حضرات بھی بے شمار تھے، لیکن چونکہ وہ اس قدر مشہور نہ تھے اور نہ خالص اسی کیلئے فارغ تھے اسی لئے ان کی طرف نسبت نہیں کی گئی، کیونکہ جو شخص کسی علم میں مشہور ہوتا ہے اور اس کے لئے اپنے آپ کو مخصوص کر دیتا ہے اس کی طرف لوگ زیادہ مائل ہوتے ہیں اور مقلدین اور شاگرد اس کی فرمانبرداری بھی بڑے شوق سے کرتے ہیں پس اسکی تحقیق کو بھی قابلِ اعتماد سمجھتے ہیں اور مقصود یہی ہے کہ علمی مسائل کی تحقیق صحیح طریقہ سے کی جاتے۔ اس صورت میں یہ مقصود آسانی سے پورا ہو جاتا ہے اور غیر مشہور آدمی میں یہ بات نہیں ہوتی کیونکہ اس کی تحقیقات پر اعتماد نہیں ہوتا۔

پھر جب ان سات اور دس مشہور اماموں کا زمانہ آیا تو چونکہ ان پر عوام وخواص سب اعتماد کرتے تھے اس لئے اب قراآت کی نسبت ان کی طرف ہونے لگی۔

اور اس وقت حالت یہ تھی کہ صدرِ اوّل جو علم کے عروج کا زمانہ تھا وہ دُور ہو چکا تھا اور اس فن کے حاصل کرنے کی طرف توجہ کم ہو گئی تھی۔ ہمتوں میں ضعف آگیا تھا۔ ترقی کی طرف قدم سُست پڑ چکے تھے اور زمانہ میں شدت کے ساتھ یہ احساس ہو رہا تھا کہ ان حضرات کے بعد اتنے بڑے عالم پیدا نہ ہو سکیں گے اس لئے اس وقت کے اربابِ حل وعقد (بڑے بڑے علماء) نے فن کی امامت کا عہدہ انہی حضرات کے سپرد کر دیا اور ان کو امام مان کر خود ان کے مقلد بن گئے۔ اور قریب وبعید کے مقابلہ میں انہی کو پسند کیا۔ پھر ان کے شاگرد شاخ در شاخ ہو کر دنیا میں پھیل گئے اور ان کے تمام علوم کو نقل کر کے ملکوں میں پھیلا دیا۔

یہی وجہ ہے ان ائمہ (نافعؒ، ابن کثیرؒ، ابوعمروؒ، ابن عامرؒ، عاصمؒ، حمزہؒ، کسائیؒ، ابوجعفرؒ، یعقوبؒ، خلفؒ) کی طرف قراءۃ کے منسوب ہونے کی، کہ ان کے ذریعہ علم قراءۃ نے رواج اور شہرت پائی۔ پس ذیل میں ہم انہی حضرات اور ان کے رواۃ کے حالات اور اسناد درج کرتے ہیں۔ واللہ الموفق والمعین۔

امام نافع مدنیؒ آپ کا اسم مبارک نافع اور کنیت ابوعبدالرحمٰن اور ابوالحسن اور ابورویم ہے۔ آپ کے والد ماجد کا نام عبدالرحمٰن اور دادا کا ابونعیم ہے۔ آپ جعونہ بن شعوب بن لیثی کے آزاد کردہ غلام تھے اور وہ حمزہؓ بن عبدالمطلب کے حلیف تھے۔ اصل کے اعتبار سے آپ اصفہانی ہیں۔ آپ کا رنگ سیاہ تھا۔ قراءۃ کی وجوہ اور عربیت کے آپ عالم تھے اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی احادیث پر مضبوطی کے ساتھ عامل تھے۔ نیز

دار الہجرۃ مدینہ طیبہ میں قراءۃ کے امام تھے۔ ابوجعفرؒ کے بعد آپ کی امامت پر اجماع تھا۔ آپ دوسرے طبقہ میں سے ہیں۔ صحابہؓ میں سے طفیلؓ اور ابن ابی انیسؓ رضی اللہ عنہا کی زیارت کی ہے اس لئے آپ تابعی ہیں۔ امام مالک رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ نافع کی قرات سنت اور پسندیدہ ہے۔ اسحٰق مسیّبی نے عرض کیا کہ آپ کا چہرہ کیسا اچھا ہے اور اعضاء کی بناوٹ کس قدر خوبصورت ہے، فرمایا ایسا کیوں نہ ہوتا جب کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھ سے خواب میں مصافحہ فرمایا ہے۔ ستر تابعین سے قرآن پڑھا، انہی میں سے امام ابوجعفرؒ یزید بن قعقاع بھی ہیں، جو قراءۃ کے آٹھویں امام اور حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے آزاد کردہ غلام ہیں۔ نافع خود کہتے ہیں کہ جب میں ابوجعفر یزید سے پڑھتا تھا اس وقت میری عمر نو سال تھی اور دوسرے شیخ شیبہ بن نصاح اور تیسرے عبدالرحمٰن بن ہرمز اعرج ہیں۔ ان تینوں نے حضرت ابن عباس و حضرت ابی بن کعب سے اور ان دونوں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے پڑھا اور آپ نے حضرت جبرائیل علیہ السلام سے اور انہوں نے رب جلیل سے یا لوح محفوظ سے حاصل کیا۔

آپ کے حالات میں لکھا ہے کہ جب آپ قرآن شریف پڑھتے تھے یا بات کرتے تھے تو منہ سے مشک کی خوشبو آتی تھی۔ کسی نے دریافت کیا اے ابوعبدالرحمٰن جب آپ پڑھانے اور پڑھنے بیٹھتے ہیں تو کیا خوشبو لگا کر بیٹھتے ہیں؟ فرمایا نہ تو میں خوشبو لگاتا ہوں اور نہ خوشبو کے نزدیک ہی جاتا ہوں بلکہ بات یہ ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو خواب میں دیکھا کہ میرے منہ میں (یعنی میرے منہ سے منہ ملا کر) قرآن شریف پڑھ رہے ہیں، اس وقت سے میرے منہ سے خوشبو آتی ہے۔ دیکھو قرآن مجید کی مخلصانہ خدمت پر دنیا میں بھی کیسے اعزاز نصیب ہوتے ہیں۔ جن کے سامنے ہفت اقلیم کی سلطنت بھی گرد ہے۔ پھر آخرت کی سلطنت کا تو کہنا ہی کیا۔

آپ نے مدینہ طیبہ میں ۱۶۹ھ میں تقریباً ننانوے سال کی عمر میں وفات پائی۔ آپ کا مزار مبارک مسجد نبوی کے قریب جنت البقیع میں ہے۔ رحمۃ اللہ علیہ۔

آپ کے راوی بہت ہیں اور سب معتبر ہیں جیسے اسمٰعیل مسیبی اصمعیؒ، ابی خلیدؒ، ابن جمازؒ، امام مالک بن انسؒ، ابوعمرو بن العلاؒ وغیرہ۔

مگر چونکہ حضرت دانیؒ و شاطبیؒ اور جزریؒ نے ان میں سے دو مشہور راویوں (سیدنا قالونؒ و سیدنا ورشؒ) کی روایتیں بیان فرمائی ہیں اور روئے زمین پر ان کی یہی دو روایتیں پڑھی اور پڑھائی جاتی ہیں۔ اس لئے ہم انہی کے حالات بیان کرتے ہیں۔

سیّدنا قالونؒ آپ کا نام عیسیٰ بن مینا ہے۔ آپ مدنی زُرَقی زہریین کے آزاد کردہ غلام اور نحو کے معلّم تھے۔ آپ کی کنیت ابو موسیٰ اور لقب قالون ہے۔ منقول ہے کہ آپ کا یہ لقب امام نافعؒ نے آپ کی قراءۃ کے عمدہ ہونے کی بنا پر مقرر فرمایا تھا۔ کیونکہ قالون رومی زبان میں عمدہ چیز کو کہتے ہیں۔ آپ نے بلا واسطہ امام نافعؒ سے پڑھا ہے اور ان کی سند نبی صلی اللہ علیہ وسلم تک پہلے بیان ہو چکی ہے، آپ کانوں سے بہرے تھے مگر یہ کرامت تھی کہ قرآن مجید سننے میں ذرا بھی رکاوٹ نہیں ہوتی تھی۔ خود فرماتے ہیں کہ میں نے حضرت امام نافعؒ سے ان کی قراءۃ کو کئی بار پڑھا ہے اور اس کی کتابت بھی کی ہے۔ نیز فرماتے ہیں کہ مجھے حضرت الاستاذ نے فرمایا کہ کب تک پڑھتے رہو گے بس اب (مسجد نبوی ہی میں) کسی ستون کے پاس بیٹھ جاؤ تاکہ میں طلبۂ قراءۃ کو آپ کے پاس بھیجتا رہوں۔ (اور آپ انکو تعلیم دیتے رہیں) آپ نے ۲۲۵ھ میں مدینہ منورہ میں بعمر سو سال وفات پائی رحمۃ اللہ علیہ۔

سیّدنا ورش آپ کا اسم مبارک عثمان اور کنیت ابو سعید ہے۔ آپ کے والد ماجد کا نام سعید ہے اور آپ کا لقب ورش ہے۔ آپ کا وطن مالوف مصر ہے۔ ۱۱۰ھ میں آپ کی ولادت مصر میں ہوئی۔ بڑے ہوئے تو امام نافعؒ سے پڑھنے کے لئے مدینہ منورہ (زادھا اللہ تشریفاً و تعظیماً) آئے۔ خود فرماتے ہیں کہ جب میں مدینہ منورہ پہنچا تو دیکھا کہ طلبہ کی کثرت کی وجہ سے کوئی شخص امام نافع سے پڑھنے کی طاقت نہیں رکھتا اور اگر کسی خوش نصیب کو موقع ملتا ہے تو وہ بھی تیس آیات سے زیادہ نہیں، بعض بزرگوں کو سفارش کے لئے آپ کی خدمت میں لے گیا۔ انہوں نے عرض کیا کہ یہ مصر سے صرف آپ کے پاس آیا ہے۔ حاجی اور تاجر نہیں ہے۔ حضرت امام نافعؒ نے فرمایا کہ آپ دیکھ تو رہے ہیں کہ مہاجرین اور انصار کی اولاد کی تعلیم کی وجہ سے کتنا عدیم الفرصت ہوں۔ جب زیادہ اصرار کیا تو رات کو مسجد نبوی (متعنا اللہ ببرکاتہ) میں رہنے کا حکم دیا۔ تہجد کے وقت جب آپ مسجد مبارک میں تشریف لائے تو دریافت فرمایا کہ وہ مصری کہاں ہے۔ میں حاضر ہی تھا۔ پس آپ نے مجھے پڑھنے کا حکم فرمایا جب میں تیس آیات پڑھ چکا تو خاموش ہو جانے کا ارشاد فرمایا۔ طلبہ کے حلقہ میں سے ایک نوجوان نے کھڑے ہو کر عرض کیا کہ اے معلم خیر شیخ، ہم آپ کے ساتھ مدینہ منورہ ہی میں رہتے ہیں اور یہ ترک وطن کر کے حضرت کی خدمت میں آیا ہے۔ لہٰذا میں اپنے وقت میں سے دس آیات کی مقدار اسکو ہبہ کرتا ہوں۔ پھر ایک اور شخص نے دس آیات کا وقت ہبہ کیا۔ جس پر حضرت نے مجھے بیس آیتیں اور پڑھنے کی اجازت مرحمت فرمائی۔ غرض میں نے پچاس آیتیں روزانہ پڑھیں اور اسطرح

تمام قرآن مجید کتنی مرتبہ آپ سے پڑھا۔

چونکہ آپ کی آواز نہایت ہی اچھی تھی۔ اس لئے امام نافع نے آپ کو "ورشان" کا لقب عطا فرمایا۔ کثرتِ استعمال کی وجہ سے الف، نون حذف ہو کر ورش رہ گیا (اور بعض نے آپ کے لقب کی وجہ یہ بتلائی ہے کہ آپ کا رنگ بہت سفید تھا۔ حضرت دانی کی تیسیر میں یہی ہے) عموماً تحقیق و ترتیل کے ساتھ قرآن مجید پڑھتے تھے۔ یونس بن عبدالاعلیٰ کہتے ہیں کہ ورش جید القراءۃ اور خوش الحان تھے۔ جب اشباع اور ترتیل کے ساتھ قرآن مجید پڑھتے تھے تو سننے والا ملول نہ ہوتا تھا۔ آپ فربہ جسم، پست قد اور بہت زیادہ سفید رنگ تھے۔ ۱۵۵ھ میں مصر واپس آگئے۔ وہاں آپ بالاتفاق رئیس القراء اور عربیت و تجوید کے امام تھے۔ ۱۹۷ھ میں مصر ہی میں وفات پائی۔ (اعنایات)

امام ابن کثیر مکیؒ آپ کا اسم مبارک عبداللہ اور ابن کثیر کنیت ہے اور آپ مکہ کے رہنے والے ہیں آپ بڑے درجہ کے تابعی ہیں حضرت معاویہؓ کے زمانہ میں مکہ میں پیدا ہوئے۔ کچھ عرصہ تک عراق میں رہے پھر مکہ میں واپس آگئے۔ جب حضرت عثمانؓ نے زید بن ثابتؓ اور قریش مکہ کی ایک جماعت سے آٹھ مصاحف ــــــ لکھوائے اور انہیں سات شہروں میں تقسیم کرایا اور ایک مصحف اپنے لئے رکھا جس کو امام کہتے ہیں۔ اس وقت حضرت عبداللہ بن سائبؓ کو ایک مصحف دے کر مکہ مکرمہ بھیجا اور فرمایا کہ لوگوں کو اسی کے موافق پڑھاؤ، چنانچہ آپ مکہ مکرمہ تشریف لائے۔ اکثر مصنفین کے بیان کے مطابق امام موصوف نے انہی سے قرآن مجید پڑھا۔

آپ نے صحابہ کی ایک جماعت سے ملاقات کی ہے جیسے ابو ایوبؓ انصاری۔ انس بن زبیرؓ وغیرہما۔

آپ مکہ میں عطر کی تجارت کرتے تھے اس لئے آپ کو (داری عطار) کہتے تھے آپ ان اہل فارس کی اولاد میں سے ہیں جن کو کسریٰ نے کشتیوں میں سوار کر کے یمن کی طرف بھیجا تھا۔

آپ حدیث کے بھی امام تھے اور آپ کے جلیل القدر ہونے کی بنا پر ابو عمرو، خلیل بن احمد نحوی، سفیان بن عیینہ اور امام شافعیؒ جیسے بڑے بڑے امام بھی آپ سے قراءۃ نقل کرتے ہیں۔

<u>آپ کی سند قراءۃ</u> ۔ آپ نے مشہور مفسر مجاہدؒ اور درباسؒ اور ابن سائبؓ صحابی مذکور سے پڑھا اور مجاہد و درباسؒ نے حضرت ابن عباسؓ سے اور انہوں نے حضرت اُبیؓ سے اور حضرت زید بن ثابتؓ نے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے پڑھا۔

آپ نے ہشام بن عبدالملک کے زمانہ میں ۱۲۰ھ میں مکہ ہی میں پچھتّر سال کی عمر میں وفات پائی۔ رحمۃ اللہ علیہ۔

آپ کے بہت سے راویوں میں سے دو راوی بہت مشہور ہیں۔ بزیؒ، قنبل۔

سیدنا بزیؒ | آپ کا اسم گرامی احمد اور کنیت ابوالحسن ہے اور والد ماجد کا نام محمد ہے۔ بزی کے ساتھ آپ مشہور ہیں۔ آپ کے پردادا کی کنیت ابوبزّہ تھی اسی نسبت سے آپ کو بزّی کہا جاتا ہے۔ آپ مکہ کے رہنے والے ہیں۔ چالیس برس تک مسجدِ حرام مکہ کے امام و مؤذن رہے اور اپنے زمانہ کے مسلّم شیخ القراء تھے۔

آپ کی سند: آپ نے حضرت عکرمہؒ سے اور انہوں نے حضرت سیدنا اسماعیل بن عبداللہ قسط سیدنا شبل بن عباد سے اور ان دونوں نے امام ابن کثیر سے پڑھا۔ وکان اماما فی القراءۃ محققاً ضابطا متقناً لھا ثقۃً فیھا (النشر[1])

۱۷۰ھ میں آپ پیدا ہوئے اور ۲۵۰ھ میں اسی سال کی عمر میں وفات پائی رحمۃ اللہ علیہ۔

سیدنا قنبل | آپ کا اسم مبارک محمد اور کنیت ابوعمرو اور لقب قنبل ہے۔ آپ بھی مکی ہیں اور (قبیلہ کے لحاظ سے) مخزومی ہیں۔ کہتے ہیں کہ مکہ میں ایک گھرانہ تھا جو قنابلہ کے نام سے مشہور تھا (اور آپ بھی انہی میں سے ہیں)۔

آپ کی سند: آپ نے حضرت قواسؒ سے اور انہوں نے حضرت ابوالاخریط سے اور انہوں نے سیدنا اسمٰعیل اور سیدنا شبل سے اور ان دونوں نے امام ابن کثیرؒ سے قراءۃ پڑھی۔ آپ حجاز کے شیخ القراءۃ تھے کان اماماً فی القراءۃ متقنا ضابطا ورحل الیہ الناس من الاقطار (النشر)

۱۹۵ھ میں پیدا ہوتے اور ۲۹۱ھ میں چھیانوے سال کی عمر میں وفات پائی۔ رحمۃ اللہ علیہ۔

امام ابوعمرو بصریؒ | صحیح تر قول کی بناء پر آپ کا اسم مبارک زبّان ہے۔ آپ کے والد ماجد کا نام علاء اور دادا کا نام عمار ہے۔ آپ کے دادا عمار حضرت علی کرم اللہ وجہہ کے اصحاب میں سے تھے۔ قراء میں سے صرف آپ ہی ایسے ہیں جن کے خالص عربی ہونے پر اجماع ہے۔ اسی وجہ سے علامہ شاطبی نے فرمایا ؎

وامام الامام المازنی صریحھم ابوعمرو البصری فوالدہ العلا

آپ کو مازنی بھی کہا جاتا ہے، کیونکہ گیارہویں پشت میں آپ کے دادا کا نام مازن ہے۔ آپ خلیفہ عبدالملک کے زمانہ میں ۶۸ھ میں مکہ میں پیدا ہوئے اور بصرہ میں آپ کی پرورش ہوئی۔ آپ عادل، معتبر، زاہد، امورِ خیر میں مال خرچ کرنے والے، قراءۃ، نحو، لغت، تاریخ، انساب، اشعار، ان چھ علموں میں ماہر تھے۔ اس کے باوجود خود

---

[1] محقق جزری صاحب حصن حصین کی تالیف لطیف ہے ۱۲

فرماتے ہیں کہ میں نے قرآن مجید میں ایک حرف بھی نقل کئے بغیر اپنی رائے سے نہیں پڑھا۔ آپ کی قراءۃ دلنشین اور تکلف سے بالاتر تھی۔ جب مدینہ تشریف لے گئے تو لوگ آپ سے پڑھنے کے لئے ایک دوسرے سے سبقت کرنے لگے اور جس نے آپ سے فیض حاصل نہ کیا ہو۔ اہل مدینہ اس کو قاری نہیں شمار کرتے تھے۔ امام احمد بن حنبلؒ فرماتے ہیں کہ مجھے ابو عمرو کی قراءۃ بہت پسند ہے آپ کے شیخ حسن بصریؒ نے آپ کے گرد طلبہ کا اژدہام دیکھا تو تعجب سے فرمایا۔ لَآ اِلٰـہ الاّ اللّٰہ کیا علماء ارباب بن گئے اور جس عزت کی بنیاد علم پر نہ رکھی گئی ہو اس کا انجام ذلت ہے۔ اصمعیؒ کہتے ہیں کہ میں نے آپ سے ایک ہزار مسائل پوچھے تو آپ نے ہر مسئلہ کا جدا جدا جواب دیا۔ اور ہر مسئلہ پر زمانۂ جاہلیت کے شعراء کے کلام سے دلائل پیش کئے۔ جب آپ بصرہ میں پوشیدہ تھے تو فرزدق شاعر آپ کی عیادت کے لئے آئے اور چند اشعار پڑھے۔ جن میں سے پہلا شعر یہ تھا۔ ؎

ما زلت افتح ابوابًا وَّ اغلقها حتّٰی رأیت اباعمرو بن عمار

امام نشرنے آپ کے حالات میں لکھا ہے کہ امام سفیان بن عیینہ سے مروی ہے کہ میں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی خواب میں زیارت کی تو میں نے عرض کیا یا رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) مجھ پر قراءتیں مختلف ہوگئی ہیں آپ جس امام کی قراءۃ کا مجھے امر فرمائیں گے میں اسی قراءۃ میں پڑھ لیا کروں گا، تو حضورؐ نے فرمایا کہ ابو عمرو بن العلاء کی قراءۃ پڑھا کرو۔ وکان اعلم الناس بالقراٰن والعربیۃ مع الصدق والثقۃ والامانۃ والدین (النشر)

<u>آپ کے شیوخ :</u> آپ نے اہلِ حجاز و اہل بصرہ کی ایک جماعت سے قرآن مجید پڑھا۔ مکہ والوں میں سے یہ سات ہیں۔ (۱) امام مجاہدؒ (۲) سعید بن جبیرؒ (۳) حضرت عکرمہؒ بن خالد (۴) عطا بن ابی رباحؒ (۵) امام ابن کثیرؒ (۶) امام محمد بن عبدالرحمٰن بن محیصنؒ (۷) حمید بن قیس الاعرجؒ۔ اور مدینہ والوں میں سے تین ہیں (۱) ابو جعفر یزیدؒ بن قعقاع القاری (۲) یزید بن رومانؒ (۳) امام شیبہ بن نصاح۔ اور بصرہ والوں میں سے امام حسن بن ابی الحسن بصریؒ اور یحیٰی بن یعمر وغیرہ حضرات ہیں۔

<u>سند قراءۃ :</u> ان میں سے امام مجاہدؒ بواسطہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما، حضرت ابی بن کعبؓ سے اور امام ابن کثیر نے حضرت عبداللہ بن سائبؓ صحابی رسولؐ سے اور ابو جعفر یزید بن قعقاع القاری نے حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالےٰ عنہ و حضرت ابن عباسؓ، حضرت عبداللہ بن عیاشؓ اور حضرت

ابو ربیعہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم سے اور ان سب حضرات نے حضرت ابی بن کعب رضی اللہ عنہ سے پڑھا ہے۔ اسی طرح باقی حضرات میں سے بعض نے بواسطہ تابعین کے اور بعض نے بلا واسطہ صحابہ رضی اللہ عنہم سے اخذ کیا اور ان سب حضرات نے حضور نبی کریم خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وسلم سے فیض قراءۃ حاصل کیا۔ آپ نے بعمر چھیاسی سال حضور کی خلافت کے زمانے میں ۱۵۴ھ میں کوفہ میں وفات پائی رحمۃ اللہ علیہ۔ آپ سے بے شمار راویوں نے قراآت نقل کی ہیں اور سب معتبر ہیں۔

سیدنا یحییٰ بن مبارک یزیدی ان کا حافظہ نہایت قوی تھا۔ ابو العتاہیہ کہتے ہیں کہ میں نے آپ کے حافظہ سے دس ہزار اوراق لکھے تھے اور یہ سب ذخیرہ تھا جو آپ نے ابو عمرو سے حاصل کیا تھا اور جو خلیل سے سیکھا تھا وہ اس کے علاوہ تھا۔ آپ کو یزیدی اس لئے کہتے ہیں کہ مہدی کے ماموں یزید بن منصور کے ہم نشین تھے اور ان کے صاحبزادوں کے استاد بھی تھے۔ وکان ثقۃ علامۃ فصیحاً مفوھاً اماماً فی اللغات والآداب (النشر)

آپ نے بعمر چوہتر سال ۲۰۲ھ میں وفات پائی رحمۃ اللہ علیہ۔ پہلے اماموں کی طرح آپ کے بھی بیشمار راویوں میں سے دو زیادہ مشہور ہیں (دوری اور سوسی)۔

سیدنا ابو عمر حفص دوری ازدی یہ نابینا تھے ۱۵۰ھ میں اپنے وطن دور میں پیدا ہوئے۔ یہ ایک بستی ہے جو بغداد کے قریب مشرقی جانب میں ہے۔ اسی نسبت سے آپ کو دوری کہتے ہیں۔ قراءت میں آپ ہی نے سب سے پہلے کتاب لکھی۔ وکان امام القراءۃ فی عصرہ وشیخ الاقراء فی وقتہ ثقۃ ضابطاً کبیر (النشر)

آپ کی وفات بعمر چھیانوے سال ۲۴۶ھ میں ہوئی۔ رحمۃ اللہ علیہ۔

سیدابو شعیب صالح بن زیاد سوسیؒ آپ کا پیدائشی وطن سوس ہے جو اہواز کے علاقہ میں ہے پھر آپ نے رقہ میں (جو ربیعہ کی سرزمین فرات کے کنارہ پر آباد تھا) اس میں سکونت اختیار کر لی۔ آپ اپنے پیدائشی وطن سوس ہی کی نسبت سے مشہور ہیں۔ وکان مقرئاً ضابطاً محرراً ثقۃ من اجل اصحاب الیزیدی واکبرھم (النشر)

آپ کی وفات محرم الحرام ۲۶۱ھ میں تقریباً نوے سال کی عمر میں رقہ میں ہوئی۔ رحمۃ اللہ علیہ۔ ان دونوں راویوں نے یزیدی کے ذریعہ ابو عمرو بصری سے قراآت نقل کی ہیں۔ (باقی آئندہ)

اُستاذُ الاساتذہ حضرت مولانا محمدؐ رسول خان صاحب رحمۃ اللہ علیہ

خلیفۂ مجاز حکیم الاُمّت حضرت مولانا محمدؐ اشرف علی صاحب تھانوی رحمۃ اللہ علیہ

(قسط: ۲ - آخری)

مولانا قاری فیوض الرحمٰن صاحب مدظلہٗ ایم اے، پروفیسر گورنمنٹ کالج ایبٹ آباد

وظائف کی تعلیم | حضرت بیعت کرنے کے بعد پڑھنے کے لئے مندرجہ ذیل وظائف تعلیم فرمایا کرتے تھے۔

۱- ہر نماز کے بعد۔ رَبِّ اغْفِرْ وَارْحَمْ وَاَنْتَ خَيْرُ الرّٰحِمِيْنَ ۱۰۰ سو مرتبہ اوّل آخر درود شریف تین مرتبہ۔

۲- نماز عشاء کے بعد ایک ہزار مرتبہ اَللّٰهُ اَللّٰهُ۔ ملا کر پڑھنے سے یہ ایک ہزار کے بجائے دو ہزار بن جاتا ہے۔

آپ کے چند ممتاز تلامذہ | پہلے ذکر ہو چکا ہے کہ علمائے دیوبند میں سے کوئی ایسا عالم نہیں جو آپ کا یا آپ کے شاگردوں کا شاگرد نہ ہو۔ آپ کے تمام شاگردوں کے تلامذہ کے لئے تو مستقل ایک کتاب کی ضرورت ہے۔ اس وقت آپ کے چند ممتاز تلامذہ کا ذکر کیا جاتا ہے، جو اس وقت خود بھی معمر اساتذہ اور شیوخ ہیں۔

۱ - حضرت مولانا قاری محمدؐ طیّب صاحب قاسمی مدظلہٗ مہتمم دارالعلوم دیوبند ضلع سہارنپور (انڈیا)

۲ - حضرت مولانا سیّد شمس الحق صاحب افغانی مدظلہٗ سابق وزیر معارف قلات و شیخ التفسیر جامعہ اسلامیہ بہاولپور (حالاً)

۳- حضرت مولانا سیّد محمدؐ یوسف صاحب بنوری مدظلہٗ مہتمم و شیخ الحدیث مدرسہ عربیہ اسلامیہ نیوٹاؤن کراچی ۵

۴- حضرت مولانا مفتی محمدؐ شفیع صاحب مدظلہٗ مفتی اعظم پاکستان، مدیر دارالعلوم کراچی ۱۴

۵- حضرت مولانا حافظ محمدؐ ادریس صاحب کاندھلوی مدظلہٗ شیخ الحدیث جامعہ اشرفیہ، لاہور۔

۶ - حضرت مولانا عبدالحق صاحب مدظلہ، شیخ الحدیث، دارالعلوم حقانیہ، اکوڑہ خٹک، ضلع پشاور۔

۷ - حضرت مولانا خلیل الرحمٰن صاحب مدظلہ، شیخ الحدیث مدرسہ احمد المدارس، ہری پور۔ ہزارہ۔

حضرتؒ کی کرامات حضرت مولانا غلام غوث صاحب ہزاروی مدظلہ کی روایت کے مطابق جب حضرتؒ نے ۱۳۹۰ھ کی عید قرباں پر قربانی کی تو فرمایا کہ "یہ آخری قربانی تھی"۔

۱۳۹۱ھ میں جب اپنے وطن اچھڑیاں میں تشریف لائے تو انتقال سے ۷ دن پہلے فرمایا کہ "میرے سات دن باقی رہ گئے ہیں"۔ اور اسی طرح انتقال کے وقت فرمایا کہ "فرشتوں کی جماعت بیٹھی ہوتی ہے"۔

اصل کرامت جو تمام کرامتوں کی کرامت ہے وہ استقامت علی الدین ہے۔ دینِ اسلام پر پوری طرح چلنا بہت بڑی کرامت ہے جو حضرتؒ میں پوری طرح پائی جاتی تھی۔ اولیاء اللہ کا کہنا ہے اَلْاِسْتِقَامَۃُ فَوْقَ اَلْفِ کَرَامَۃٍ ۔ کہ استقامت ہزار کرامتوں سے بڑھ کر ہے"۔

آخری وقت میں بھی نماز کا اتنا اہتمام استقامت علی الدین کی بیّن دلیل ہے۔

اخلاق حضرتؒ کی تمام اخلاقی خوبیوں کو بیان نہیں کیا جا سکتا۔ بس ایک فقرہ میں مختصر طور پر ہم یوں کہہ سکتے ہیں کہ "اُن کی زندگی سنتِ نبویؐ کا بہترین نمونہ تھی"۔

تصنیفی خدمات آپ نے مستقل طور پر کوئی کتاب نہیں لکھی البتہ بہت سی کتابوں پر آپکے مقدمے ضرور نظر سے گذرے ہیں۔ آپ نے کتابیں نہیں لکھیں، البتہ کتابیں لکھنے والے اور پڑھانے والے پیدا کئے ہیں۔ آپ کے شاگردوں کی تمام تدریسی و تصنیفی خدمات دراصل آپ ہی کی ہیں۔ اس لئے کہ شاگردوں کی امتیازی کامیابیاں اور تصنیفی خدمات استاذ ہی کی قابلیت کا مظہر ہوا کرتی ہیں۔ آپ کے شاگردوں اور شاگرد دوں کے شاگردوں کی تمام تصانیف کو اکٹھا کیا جائے تو محتاط اندازے کے مطابق انکی تعداد ایک ہزار سے متجاوز ہو گی۔

اندازِ تحریر آپ کا اندازِ تحریر بھی معقولی ہوتا تھا۔ آپ کی ایک تحریر کا اقتباس نقل کرتا ہوں جو انہوں نے مُلک کے مشہور دینی مدرسہ جامعہ مدنیہ لاہور کے طلبہ کا امتحان لینے کے بعد تحریر فرمایا تھا۔

"الحمد للہ کہ جامعہ مدنیہ دین کی بہت بڑی خدمت کر رہا ہے۔ یہاں پر فنون کی اعلیٰ تعلیم ہوتی ہے۔ احقر نے کئی دفعہ بخاری شریف، قاضی مبارک، خیالی، صدرا اور دوسری بڑی بڑی فنی کتابوں کا امتحان لیا۔ الحمد للہ طلبہ بہت قابل اور محنتی ہیں۔ بہت سے طلبہ نے امتحان میں اعلیٰ نمبر حاصل کئے۔ طلبہ کی قابلیت سے ان کے اساتذہ کی قابلیت "اِنّی دلیل" سے

ثابت ہوتی ہے۔

میں السید المحترم حضرت مولانا حامد میاں صاحب مدظلہ العالی مہتمم مدرسہ کو اس پر مبارکباد پیش کرتا ہوں کہ ان کا مدرسہ فنون کی تعلیم میں بے نظیر ہے اور مدرسین لائق فائق ہیں۔ حق تعالیٰ مدرسہ کے معاونین کو دارین کی ترقی سے نوازیں۔ دینی تعلیم کے اس مرکز کو تادیر قائم فرمائیں۔"

محمد رسول خان عفا اللہ عنہ　　(در رپورٹ امتحان جامعہ مدنیہ)

۱۱ رجب، ۱۳ ستمبر ۱۹۷۱ء

مرثیہ تاریخی آپ کے انتقال پر تقریباً ملک کے تمام مکاتبِ فکر کے علماء کرام نے اپنے اپنے ماہناموں میں آپ کے انتقال کو ایک عظیم نقصان قرار دیا اور اسی طرح ملک کے اخبارات نے بھی تعزیتی خبریں اور بعض نے اداریے نوٹ بھی لکھے (حریت کراچی) اس وقت چند مجلّات نے آپکے انتقال پر جو کچھ لکھا ہے اس کا خلاصہ پیش کیا جاتا ہے۔ ماہنامہ البلاغ بابت ماہ جون ۱۹۷۲ء میں حضرت مولانا مفتی جمیل احمد صاحب تھانوی مدظلہ نے "مرثیہ تاریخی" کے عنوان سے عربی زبان میں ۱۹ اشعار تحریر فرمائے ہیں انہیں اردو ترجمہ کے ساتھ پیش کیا جاتا ہے۔

"مرثیہ تاریخی"

استاذ العلماء حضرت مولانا رسول خان صاحب ہزاروی رحمۃ اللہ علیہ

یالشیخ نبیلٍ، نبیٍ، کاملٍ　　ماھر، باھرٍ، معظمٍ، مفضلٍ
بحر معقول علمٍ و منقولہٖ　　منہما کان مستعذب المنہل
کل شکٍ وصعب و اغلاقۃٍ　　حین لاقیتہٗ صار فی معزل
عقدۃ اوعویص اذا اَبْهَمَتْ　　فھوَ فی ظلمۃ الجھل کالمشعل
حاذق فی الفنون امام لھا　　فی علوم الشرائع من کمل
لوذعی تبدت خبایا لہ　　المعی صعاب لہ تنجلی
سائل العلم فی ای وقت عرا　　انجح الارب منہ ولم ینجل
بارع فی علوم الھدیٰ والتقیٰ　　جامع للطریق و شرع جلی
قدوۃ فی المعارف والعلم اذ　　فی المعالی خلیفۃ اشرف علی
قلبہ مھبط الفیض ممطارہ　　صدرہ کان بالعشق کالمرجل

کان فی میرت ثم فی دیوبند — ثم اورنتیل وھو درسا یلی
ثم فی الاشرفیۃ حتی انقضی — راغبا فی جنان وّ قصرٍ عل
شیخ اشیاخ الاشیاخ فی عصرنا — من تلامذہ اکثر الکمل
اجریاں، اجریاں، ثم ما اجریاں — سالت العین منھا بفیضٍ حلی
فات شیخ ولم ادر من مثلہ — فی اکابر او افضلٍ امثل
۱۳۹۱ھ
ظل قرنا تماما یدرسنا — ثم تدریسہ کیف ؟ لا تسأل
فات فیضک یا طالعا جنۃ — طاب مثواک یا طیب المنزل
۱۳۹۱ھ
فات فضل اذا فت یا شیخنا — این فی العصر شیخ عظیم وَ لی
۱۳۹۱ھ
ھاتف الغیب فی ارخ ترحالہ — رضی اللہ عن نفسہ قال لی
۱۳۹۱ھ

(ترجمہ) اے ذہین وفطین اور کامل شیخ! ماہر فائق اور بڑی عظمت وفضیلت کے مالک!

۲ - آپ معقولات ومنقولات کے سمندر ہیں جن کی وجہ سے آپ چشمۂ شیریں بنے۔

۳ - تمام علمی شکوک وعلمی مسائل جب آپکو درپیش ہوئے تو آسان ہوگئے۔

۴ - جب تمام علمی مشکلات اور عقدے مبہم ہوئے تو آپ ظلمتِ جہل میں مشعل کی مانند تھے۔

۵ - آپ تمام فنون کے ماہر اور امام تھے اور علومِ شریعت میں آپ کاملین میں سے تھے۔

۶ - آپ "لوذعیؔ" تھے جن کے لئے مخفی امور ظاہر ہوگئے، آپ "المعی" تھے جن کے لئے مشکلات مشکلات نہ رہیں۔

۷ - جب بھی کوئی علم کا سائل آپ کے سامنے آیا، آپ نے اس کی حاجت پوری کرنے میں کوئی بُخل نہ کیا۔

۸ - آپ علومِ ظاہری وباطنی میں بہت بلند اور شریعت وطریقت کے جامع تھے۔

۹ - آپ علوم ومعارف کے مقتدا تھے، اس لئے کہ آپ مراتب عالیہ میں (حضرت مولانا) اشرف علیؒ

لہ اللوذع اور اللوذعی - فصیح اللسان کو کہتے ہیں جو اپنے ذہن کو تیزی اور فصاحت سے دوسرے کو جلا کر ڈھیر کرے۔
الالمع اور الالمعی - روشن دماغ ذکی۔

کے خلیفہ تھے۔

۱۰۔ آپ کا دِل فیض کا مہبط (محل) تھا اور آپ اُسے بارش کی طرح برساتے تھے اور آپ کا سینہ عشق (الٰہی) سے جوش مارنے والی ہنڈیا کی طرح تھا۔

۱۱۔ آپ جنت اور اس کے اونچے محلات کی رغبت کرتے ہوئے پہلے میرٹھ پھر دیو بند،

۱۲۔ بعد ازاں اورینٹل کالج اور اس کے بعد آخری وقت تک جامعہ اشرفیہ میں پڑھاتے رہے۔

۱۳۔ آپ ہمارے زمانے کے اساتذہ کے استاذوں کے بھی اُستاذ تھے اور اکثر کاملین آپ ہی کے تلامذہ میں سے ہیں۔

۱۴۔ اچھڑیاں (حضرتؒ کے گاؤں کا نام) اچھڑیاں! آپ جانتے ہیں کہ اچھڑیاں کیا ہیں؟ (وہ جگہ ہے کہ) اس سے فیض کا میٹھا چشمہ بہہ نکلا۔

۱۵۔ فوت ہوئے شیخ! اور میں نہیں جانتا کہ اکابر اور انکے معاصرین میں کوئی ان جیسا ہو۔

۱۶۔ وہ پوری ایک صدی تک ہمیں درس دیتے رہے، پھر آپ کی تدریس کیسی تھی؟ بس نہ پوچھیئے!

۱۷۔ اے جنت میں پہنچنے والے! اپ کا وہ فیض باقی نہ رہا، اے بہترین منزل والے! آپکا ٹھکانا اچھا ہوا۔

۱۸۔ اے ہمارے شیخ! آپ کی موت علم وفضل کی موت ہے۔ اتنا بڑا شیخ اور ولی اس زمانہ میں کہاں؟

۱۹۔ ہاتف غیب نے آپ کی تاریخِ وصال مجھ سے یوں کہی "رضی اللہ عن نفسہٖ" (۱۳۹۱ھ) کہ اللہ ان سے راضی ہوگیا۔

جامعہ اشرفیہ کے ایک دوسرے استاذِ حدیث حضرت مولانا محمد موسیٰ روحانی بازی، استاذ العلماء مولانا محمد رسول خان رحمۃ اللہ علیہ کی وفات پرُغم کے "چند آنسو" کے تحت اپنے خیالات کو یوں نظم کرتے ہیں۔

نالہ وفریاد سے اہلِ جہاں مانوس ہیں　　ہم اسی زنجیر عالمگیر میں محبوس ہیں
یہ جہانِ رنگ وبُو وابستۂ تقدیر ہے　　اور فنا کے واسطے ہی آہ یہ تعمید ہے

نغمۂ بلبل ہو، یا ہو اشک کا سیلِ رواں　　مبتلائے غم ہو یا خنداں ہو یا شاہِ جہاں
کوئی بھی قائم نہیں ، یہ آشیاں سالم نہیں　　آشیاں کے طائر و بزمِ جہاں دائم نہیں
اِنس و جنّ مامور ہیں ، ارض و سما مقہور ہیں　　آفتاب و آب و مہ رفتار پر مجبور ہیں
کتنی رعنائی سے مستانہ رواں ہے قافلہ　　ہائے ہر منزل میں پوشیدہ ہے موتِ قافلہ
تھا جنہیں ذوقِ فنا دارالبقا کے بن گئے　　اور ہم محو تماشا، خود تماشا بن گئے
محفلِ علم بنی اب سوز سے بیگانہ ہے　　بجھ گئی وُہ شمع جو مطلوب ہر پروانہ ہے
موت ہے آسان کتنی ؟ کتنی مشکل زندگی　　قیمتی بنتی ہے اے غافل یہ مہمل زندگی
قیس سا پیدا ہو اس دنیا میں یہ ممکن نہیں　　پھر بہار آئے چمن میں آہ یہ ممکن نہیں
تخم جو شانِ نبوّت کا دِلوں میں بو گئے　　کشتِ دل جب لہلہائی آہ اب وہ سو گئے
زندگی تیری تجلّی چشم بینا کے لئے　　زیب محفل اور سراپا سوز دنیا کے لئے
بس سراپا خدمتِ دیں کا عَلَم تیری حیات　　ہے کتابِ دہر میں زریں رقم تیری حیات
منبر و محراب گریاں، بزمِ دیں اندوہ گیں　　آج وہ خنداں ہیں جو رکھتے تھے بُت در آستیں
موت ہو ایسی کہ جس پر رشک سب زندوں کو ہو　　زندگی ایسی ہو، جو مطلوب سب بندوں کو ہو

جناب محمود احمد عارف صاحب "انوارِ مدینہ" میں "تُربت پہ انکی رحمتِ ربِّ کریم ہو" کے تحت یوں لکھتے ہیں :-

رخصت ہوئے جہاں سے محمد رسول خانؒ　　عالم تھے ، باعمل تھے عجب مردِ خوش خصال
منقول میں امام زماں ان کی ذات تھی　　بخشا خدائے پاک نے ایسا انہیں کمال
عمرِ طویل ساتھ تھی خیرِ کثیر کے　　وہ اہلِ علم میں آپ ہی تھے اپنی اک مثال
اشرف علیؒ کی نسبتِ باطن کے تھے امیں　　اخلاق میں تھا پرتوِ محبوبِ ذوالجلال
رمضان کے دنوں میں گئے سُوئے آخرت　　مجد و شرف کے ساتھ ملی نعمتِ وصال
تربت پہ ان کی رحمتِ ربِّ کریم ہو　　رحمت تیری ہو دائمی اے ربِّ ذوالجلال

ماہناموں کے تعزیتی اداریے　حضرت مولانا سیّد حامد میاں صاحب دامت برکاتہم "انوارِ مدینہ" میں "حادثۂ عظیمہ" کے تحت لکھتے ہیں ،

جامع معقول ومنقول، حاوی فروع واصول شیخ المحدثین والمفسرین یادگارِ سلف حضرت مولانا رسول خان صاحب نور اللہ مرقدہٗ کی وفات تمام اہلِ علم کی نظر میں ایک ناقابلِ تلافی نقصان ہے۔" (انوارِ مدینہ)

حضرت مولانا سید محمد یوسف صاحب بنوری مدظلہم تحریر فرماتے ہیں۔"ماہ رمضان المبارک ۱۳۹۱ھ میں حضرت مولانا محمد رسول خان صاحب کی وفات سے درس وتدریس کی ایسی جامع ترین شخصیت کی جگہ خالی ہوگئی کہ آئندہ صدیوں میں بھی اس کے پُر ہونے کی توقع نہیں — ویسے تو سب ہی جانے کے لئے آتے ہیں، لیکن صدمہ اس کا ہے کہ آئندہ جو دَور آرہا ہے اسمیں ایسی باکمال شخصیتوں کے کمالات کا ادراک بھی نہیں ہوسکے گا۔ آپ کی وفات سے ہندوپاک کی ایک صدی کی علمی تاریخ کی بساط الٹ گئی۔ آپ کی رحلت علم وتقویٰ، درس تدریس، حسن ادا، تواضع ووقار، سنجیدگی ومتانت وغیرہ کمالات کی رحلت ہے۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔ حق تعالیٰ حضرت استاذ مرحوم کو جنت الفردوس میں درجاتِ عالیہ نصیب فرمائے۔ اللّٰھم اغفرلہٗ وارحمہٗ وارض عنہ وعاملہ معاملۃ الابرار والصالحین من عبادك الاخیار بفضلك وکرمك یاعزیز یاغفار! اٰمین یارب العٰلمین (ماہنامہ بینات)

حضرت مولانا عبدالحق صاحب شیخ الحدیث، دارالعلوم حقانیہ اکوڑہ خٹک، ماہنامہ"الحق" میں یوں لکھتے ہیں:

حضرت الاستاذ المحترم مولانا رسول خان صاحب مرحوم کی جُدائی نہ صرف پورے برصغیر میں بلکہ دیگر کئی ممالک کے علمی ودینی حلقوں کے لئے بھی بہت بڑا صدمہ ہے۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔ فان للہ ما اخذ ولہٗ ما اعطی — پاکستان میں دارالعلوم دیوبند کے اسلاف میں سے تھے۔ افسوس کہ اکابر سب چلے گئے، مگر کوئی بدل نہیں مل سکے گا۔ بلکہ ایسے جامع الصفات اکابر کا کسی ایک وصف میں بھی بدل نہیں ہوسکتا۔ واقعی"موتُ العَالِم موتُ العَالَم" کا منظر سامنے ہے اور علاماتِ قیامت میں سے علامت"رفع علم بقبض العلماء" کا کامل ظہور ہورہا ہے۔ حق تعالیٰ مشفق استاذ حضرت مرحوم کو قرب ورضائے اعلیٰ سے اعلیٰ مراتب پر فائز فرمائے اور ہم اخلاف کو ان کے نقشِ قدم اور اسوہ پر چلنے کی توفیق دے۔

ناچیز اور دارالعلوم حقانیہ کے تمام متعلقین مولانا مرحوم کے پسماندگان اور جامعہ اشرفیہ کے منتظمین کے ساتھ اس صدمہ میں شریک ہیں اور یہ پوری علمی برادری کا مشترکہ صدمہ ہے۔ رضی اللہ عنہ وارضاہ۔" (ماہنامہ الحق)

ماہنامہ"تعلیم القرآن" کا نومبر ۱۹۷۱ء کا اداریہ ملاحظہ فرمائیے:

پچاسی سال سے علم وحکمت بکھیرنے والی زبان خاموش ہوگئی۔

برصغیر علم وعرفان کے ایک روشن آفتاب سے محروم ہوگیا۔
وہ عالم ربّانی جس کی وفات سے علم کا ایک سمندر خشک ہوگیا۔

پاک وہند کے علمی ودینی حلقوں میں یہ اندوہناک خبر سُن کر صفِ ماتم بچھ جائے گی کہ محدّثِ جلیل، فقیہہ نبیل، جامع المعقول والمنقول، عارفِ کامل، جامع شریعت وطریقت، علاّمۂ زماں، تلمیذ خاص شیخ الہندؒ، شیخ المحدثین، استاذ الاساتذہ حضرت مولانا رسول خان رحمۃ اللہ علیہ ۳ر رمضان المبارک (۱۳۹۱ھ) کو اپنے محبوبِ حقیقی سے جا ملے ہیں۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔ آپکی رحلت سے ایک ایسا خلاء پیدا ہوگیا ہے جس کے پورا ہونے کیلئے صدیاں درکار ہیں۔ بڑے بڑے لیڈر اور جابر حکمران تو آئے دن پیدا ہوتے رہتے ہیں، لیکن مولانا رسول خان رحمۃ اللہ علیہ جیسے محدّث، عارف، امام المعقولات والمنقولات کے لئے صدیاں درکار ہیں۔

؎ سالہا باید کہ یک کودک از لطفِ طبع　　عالم گویا شود یا فاضلِ صاحب سخن
؎ ہزاروں سال نرگس اپنی بے نوری پہ روتی ہے　　بڑی مشکل سے ہوتا ہے چمن میں دیدہ ور پیدا

اسی وقت جبکہ امّت مسلمہ ہر طرح کے زوال سے دوچار ہے، ایسے عالم ربّانی کا اٹھ جانا امّت کے لئے اور بھی نقصانِ عظیم ہے۔

شیخ القرآن فرماتے ہیں کہ "میں اگرچہ گنہگار ہوں، لیکن مجھے اس بات کی خوشی اور فخر بھی ہے کہ مجھ سے وقت کے دو بہت بڑے ولی اللہ خوش ہوکر رخصت ہوئے ہیں، ایک شیخ الحدیث حضرت مولانا نصیر الدین غور غشتوی رحمۃ اللہ علیہ اور دوسرے حضرت مولانا رسول خان رحمۃ اللہ علیہ۔ دونوں بزرگ دفات کے وقت مجھ سے خوش تھے ان کی خوشی کو میں اپنے لئے سعادتِ عظمیٰ سمجھتا ہوں"۔ ان کی وفات پر میں وہی دو جملے کہتا ہوں جو شیخ الاسلام حضرت مولانا شبیر احمد عثمانیؒ نے علاّمہ انور شاہ کشمیری کی وفات پر فرمائے تھے۔ مولانا نے فرمایا تھا کہ اگر کوئی مجھ سے پوچھے کہ تم نے ابن حجرؒ اور شیخ تقی الدین کو دیکھا ہے؟ تو میں کہوں گا "دیکھا ہے۔" جب شاہ صاحبؒ کو دیکھا ہے تو گویا انہیں دیکھا ہے۔" اور دوسرا جملہ مولانا عثمانیؒ نے یہ فرمایا تھا کہ "اس میں شک نہیں کہ تمہیں حضرت شاہ صاحبؒ کی وفات کا صدمہ ہوا ہے، لیکن تمہارے لئے ہم بھی کافی ہیں۔ بتاؤ ہم اپنی پیاس کس سے بجھائیں گے"۔

اللہ تعالیٰ حضرتؒ کو جنّت میں اعلیٰ سے اعلیٰ مقامات عطاء فرمائے، ہمارے بھی گناہوں کو معاف فرمائے، ان کے پسماندگان کو صبر جمیل کی توفیق عطاء فرمائے۔ اٰمین۔　(باقی صہ ۵۳ پر)

ایک قرارداد

سُنی شیعہ دینیات کمیٹی کا فیصلہ اہلِ سنت کے لئے ناقابلِ برداشت ہے

از : حضرت مولانا قاضی مظہر حسین صاحب مدظلہ العالی

کراچی کے یکم اکتوبر کے اجلاس میں سُنّی، شیعہ دینیات کمیٹی کا جو فیصلہ اخبارات میں شائع ہوا ہے کہ دینیات کے لئے سکولوں میں ایک ہی مشترکہ نصاب ہوگا جس میں اہلِ سنت اور اہلِ تشیع کے علیحدہ علیحدہ عقائد و مسائل درج ہونگے اور ایک ہی کلاس کو ایک ہی پیریڈ میں ایک ہی ٹیچر سنّی و شیعہ دینیات کی تعلیم دیگا۔ یہ فیصلہ تفرقہ انگیز، انتشار افزا، لغو اور ناقابلِ عمل ہے کیونکہ :-

ا — سُنّی اور شیعہ عقائد میں اصولی اور بنیادی اختلاف ہے اور وضو و اذان، نماز اور جنازہ وغیرہ کے مسائل و احکام بھی بالکل جُدا جُدا ہیں۔ خلافت کا عقیدہ بھی متضاد ہے۔ خلفاءِ راشدین کے عنوان کے تحت جہاں اہلِ سنت کے حصہ میں یارِ غار و مزار حضرت ابوبکر صدیق رض کو برحق خلیفہ اوّل۔ حضرت عمر فاروق رض کو برحق خلیفہ دوم، حضرت عثمان ذوالنورین رض کو برحق خلیفہ سوم اور حضرت علی رض المرتضیٰ کو برحق خلیفہ چہارم لکھنا ضروری ہوگا۔ جو رحمت للعالمین خاتم النبیین حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد اسی ترتیب سے خلیفہ ہوئے ہیں۔ وہاں اہلِ شیعہ اپنے حصہ میں حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو خلیفہ بلافصل (یعنی برحق خلیفہ اول) لکھیں گے۔ اسی طرح ان کی اذان میں بھی یہی الفاظ شامل ہونگے تو سُنّی اساتذہ کس طرح اپنے ایمان و عقیدہ کے خلاف شیعہ عقائد و مسائل کی تعلیم دیں گے اور سنّی طلبہ بھی کیونکر اپنے مذہب کے خلاف ایسے عقائد و مسائل پڑھیں گے۔ اسی طرح شیعہ اساتذہ اور طلبہ کے لئے بھی یہی اشکال پیدا ہوگا (مگر ان کے لئے اپنے بنیادی عقیدہ تقیہ کی بناء پر یہ برداشت کیا جاسکتا ہے) اور طرفہ یہ کہ یہ سب متضاد اور متخالف عقائد و مسائل اسلام کے نام پر ہی شاملِ نصاب کئے جائیں، اور یہ بھی ممکن نہیں کہ کوئی ایسا مشترکہ نصاب تجویز کیا جائے جو فریقین کی دلآزاری کا باعث نہ بن سکے، کیونکہ دونوں فرقوں کے بنیادی عقائد ایک دوسرے کے سخت خلاف ہیں۔

۲ - مشترکہ نصاب کی تعلیم کے لئے اساتذہ کے لئے مستقل ٹریننگ سکولز کی ضرورت پڑے گی تاکہ وہ طلبہ

کو اہل سنت اور اہل تشیع کے متضاد اور مخالف عقائد و مسائل پڑھا سکیں۔ بہر حال سنی و شیعہ متضاد دینیات کی بناء پر سرکاری تعلیم گاہیں مناظرہ گاہیں بن جائیں گی جس کی وجہ سے سارے ملک کے تعلیمی اداروں میں اساتذہ اور طلبہ کے مابین مذہبی تفرقہ اور فساد رونما ہوکر پاکستان کی سلامتی کے لئے ایک شدید خطرہ بن جائے گا۔

۳ - شیعوں کی دینیات علیحدہ شامل نصاب ہونے کے بعد مرزائیوں کو بھی یہ موقعہ مل جائے گا کہ وہ بھی اپنی جداگانہ دینیات منظور کرانے کا مطالبہ کریں اور ان کے اس مطالبہ کو حکومت کسی طرح بھی نظر انداز نہیں کر سکے گی اور خدانخواستہ اگر مرزائیوں کا مطالبہ بھی شیعوں کی طرح منظور کر لیا گیا تو ملک میں اس کا جو شدید ردِّ عمل ہوگا وہ بھی حکومت کے لئے قابل غور ہے۔

۴ - سُنّی شیعہ دینیات کمیٹی میں دونوں فرقوں کو مساوی نمائندگی دی گئی ہے اور نصاب میں بھی مساوی درجہ دیا گیا ہے۔ حالانکہ شیعہ فرقہ اہلِ سنت کی عظیم اکثریت کے مقابلہ میں ایک اقلیتی فرقہ ہے۔ اس طرح اہل سنت کی اکثریتی پوزیشن کو بالکل نظر انداز کر دیا گیا ہے۔ علاوہ ازیں کمیٹی کے سنی ارکان بھی حکومت کے نامزد کردہ ہیں جو اہل سنت کی طرف سے اس کمیٹی کے لئے منتخب نہیں کئے گئے۔

اس لئے مندرجہ بالا وجوہات کی بناء پر ہم سُنی مسلمانوں کی طرف سے دینیات کمیٹی کے اس فیصلہ کی شدید مذمت کرتے ہیں اور حکومت سے پُرزور مطالبہ کرتے ہیں کہ وہ سُنی شیعہ اتحادی کمیٹی کے اس خطرناک فیصلہ کو فوری طور پر منسوخ کر کے کروڑوں سُنی مسلمانوں کو مطمئن کرے اور باقی ماندہ پاکستان کو فرقہ وارانہ فسادات کی لپیٹ سے بچانے کی ہر ممکن کوشش کرے۔ وما علینا الا البلاغ المبین۔

بقیہ: حضرت مولانا رسول خانؒ

حضرتؒ کا حلیہ حضرتؒ کا قد میانہ اور رنگ سفید تھا۔ خوبصورت اور خوب سیرت۔

حضرتؒ کی اولاد حضرت کی جسمانی اولاد سے زیادہ ان کی روحانی اولاد اہل ثابت ہوئی، وہ جنہوں نے آپ کے سامنے زانوئے تلمذ طے کیا، وہ جو شیخ الحدیث کے عہدوں پر فائز ہوئے۔ وہ جنہوں نے تبلیغ دین میں گرانقدر خدمات انجام دیں اور وہ جنہوں نے آپ کے ہاتھ میں ہاتھ دیئے اور بیعت کے اس تعلق کو نبھایا اور اب بھی نبھا رہے ہیں۔ بس آپ کی یہی اولاد ہے۔ اور اس پر جتنا بھی فخر کیا جائے کم ہے۔

الحاج سید امین گیلانی

غزل

تُو مجھ پہ مہرباں، جو اے دنیا دکھائی دے
کہتا ہے دل یہ مجھ سے کہ دھوکا دکھائی دے

شہتیر اپنی آنکھ کا وہ دیکھتا نہیں!
جس کو ہماری آنکھ کا تِنکا دکھائی دے

دیکھے کبھی جو کوئی ہماری نگاہ سے!
ذرّے میں دشت، قطرے میں دریا دکھائی دے

انساں ہیں گو ہجوم کی صورت رواں دواں
انسانیت ہے جس میں وہ تنہا دکھائی دے

ہر زندگی کی موت حفاظت ہے کہ رہی
ہر زندگی پہ موت کا پہرا دکھائی دے

تکتا ہوں ایک ایک کی صورت ہجوم میں
حسرت یہ ہے کہ کوئی تو اپنا دکھائی دے

پلکوں پہ اس لئے ہے میرے آنسوؤں کی جوت
اِن ظلمتوں میں کچھ تو اجالا دکھائی دے

تجھ سے خفا جو تھے وہ خدا تک پہنچ گئے
خود دیکھ لے، تجھے جو اے دنیا، دکھائی دے!

ناوک فگن کسی نے بھی دیکھا نہیں کبھی
بسمل ہی خاک و خوں میں تڑپتا دکھائی دے

بندہ مَیں اس کا بن کے رہوں گا خدا گواہ
مجھ کو کوئی خدا کا جو بندہ دکھائی دے

واللہ ہم نے دیکھے ہیں، وہ دیدہ ور، جنہیں
فرشِ زمیں سے عرشِ معلّٰی دکھائی دے

ڈرتا ہوں پھنس نہ جائے کہیں دامِ حرص میں
پنچھی کوئی ہَوا میں جو اُڑتا دکھائی دے

سجدہ کئے بغیر گذرتا نہیں امیںؔ
ان کا جہاں بھی نقشِ کفِ پا دکھائی دے

تبصرہ

"درسِ حدیث"

"فلکیاتِ جدیدہ"

"شانِ صحابہ رضؓ"

تقریباً ستر صفحات پر مشتمل یہ نہایت مفید کتابچہ حضرت مولانا قاضی محمد زاہد الحسینی صاحب کا تالیف کردہ ہے۔ مصنف ممدوح ملک کے ممتاز علماء میں بلند مقام رکھتے ہیں اور تقریباً چالیس کتابوں کے مصنف ہیں۔ اس رسالہ میں مولانا موصوف نے عصر حاضر کے ایک خطرناک فتنے کا تعاقب فرمایا ہے جو تاریخ و سیر کے راستہ سے عظمت صحابہ کرام رضی اللہ عنہم پر حملہ آور ہوا ہے۔ رسالہ میں صرف قرآن حکیم کی روشنی میں صحابہ کرامؓ کی شان واضح کی گئی ہے۔ اور اس طرح پڑھنے والے کے سامنے بیسیوں آیات ربانی جلوہ گر ہو جاتی ہیں۔ جن سے اس مقدس ترین شرف انسانیت گروہ کی جلالت شان واضح ہو جاتی ہے۔ اور اس یقین کے لیے راہیں کھل جاتی ہیں کہ جب خدائے قدوس اپنے کلامِ پاک میں ان کی عدالت و ثقاہت کو اور مدحت و منقبت کو ذکر فرماتے ہیں تو اس کے بعد کسی انسان کے کلام و دشنام سے ان کی طہارت و تقدس پر کس طرح آنچ آ سکتی ہے۔

صرف ایک روپیہ کی قیمت پر بہترین ٹائیٹل و عمدہ کتابت و طباعت سے مزین یہ رسالہ "دارالارشاد" کیمبل پور سے حاصل فرماویں۔

نام کتاب: "فلکیاتِ جدیدہ"

مصنّف: حضرت مولانا محمد موسیٰ صاحب، استاذ حدیث و فنون، جامعہ اشرفیہ، لاہور۔

طابع: ادارہ تصنیف و ادب۔ جامعہ اشرفیہ۔ فیروز پور روڈ۔ لاہور

صفحات: ۳۵۰ —— قیمت: ۱۰ روپے

مدت سے یہ ضرورت محسوس ہوتی چلی آ رہی ہے کہ علماء کرام قدیم فلسفہ کے ساتھ جدید تحقیقات سے بھی باخبر ہوں، لیکن اس پر کسی نے قلم نہیں اٹھایا تھا۔

اللہ تعالیٰ نے مولانا محمد موسیٰ صاحب کو توفیق بخشی کہ انہوں نے اس کی ایک شق "فلکیات" پر مفید

معلومات اردو زبان میں طلبۂ علوم عربیہ کے لئے یکجا فرما دیں۔ ان معلومات سے ہر طالب علم کو بہرہ ور ہونا چاہیئے۔

یہ کتاب طلبۂ فنون کے لئے بہترین علمی ذخیرہ ہے۔ یہ دو حصوں پر مشتمل ہے۔ اس میں تقریباً ۵۴ ابواب ہیں اور ہر باب میں کئی کئی عنوانات کے تحت بہت سے مفید مباحث ہیں۔

دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ مصنف مدظلہٗ کے اوقات و تحریرات میں برکت و قبولیت عطا فرمائے اور انہیں توفیق بخشے کہ وہ "طبعیات" پر بھی جدید معلومات کے حواشی تحریر فرمائیں تاکہ ان کی افادیت صحیح معنی میں دوبالا ہو جائے اور ہمارا ہر طالب علم تحقیقاتِ جدیدہ سے باخبر ہو۔

ابتلاء

(از: محترم حاجی رشید صاحب۔ لاہور)

سیدنا شیخ عبدالقادر جیلانی رحمۃ اللہ علیہ نے ارشاد فرمایا کہ بندے پر مصائب کبھی اس کے گناہوں کی بناء پر آتے ہیں اور کبھی گناہوں کے کفارہ کے طور پر اور گاہے صرف رفعِ درجات و بلندئ مرتبہ کے لئے۔ مزید فرمایا کہ اِن سب مصائب کی علامات بھی علیحدہ علیحدہ ہیں۔ معاصی پر مصائب کا جو ہجوم ہوتا ہے ان میں بندہ بے صبر ہو جاتا ہے، روتا پیٹتا ہے اور مخلوق سے شکوہ شکایت کرتا ہے۔ یہ علامت ہے کہ مصیبتیں گناہوں پر آرہی ہیں اور جب گناہوں کا کفارہ بن کر آتی ہیں تو بندہ کو صبرِ جمیل کی توفیق ہوتی ہے۔ نہ وہ گھبراتا ہے اور نہ شکوہ شکایت اس کی زبان پر ہوتی ہے۔ طاعات سے اسے بددلی نہیں ہوتی اور عبادات میں خوب دل لگتا ہے، اور جب مصائب رفعِ درجات کے لئے ہوں تو بندہ پر کیفیت رضا طاری رہتی ہے۔ دل مطمئن، اعمال پاکیزہ اور طمانیت کی دولت سے دامنِ دل لبریز، نیک اعمال بہ رضا و رغبت بلکہ بحالتِ شوق و ذوق اس سے برابر ہوتے رہتے ہیں۔